يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

اے نبیؐ! مومنوں کو جنگ پر ابھار دو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ (آیت ۶۵۔ رکوع ۹۔ سورۃ انفال)

روشنی کے مینار

بیس (۲۰) صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات زندگی

حافظ محمد ادریس ایم اے عربی (گولڈ میڈلسٹ)

ایم اے اسلامیات، سابق صدر پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین لاہور
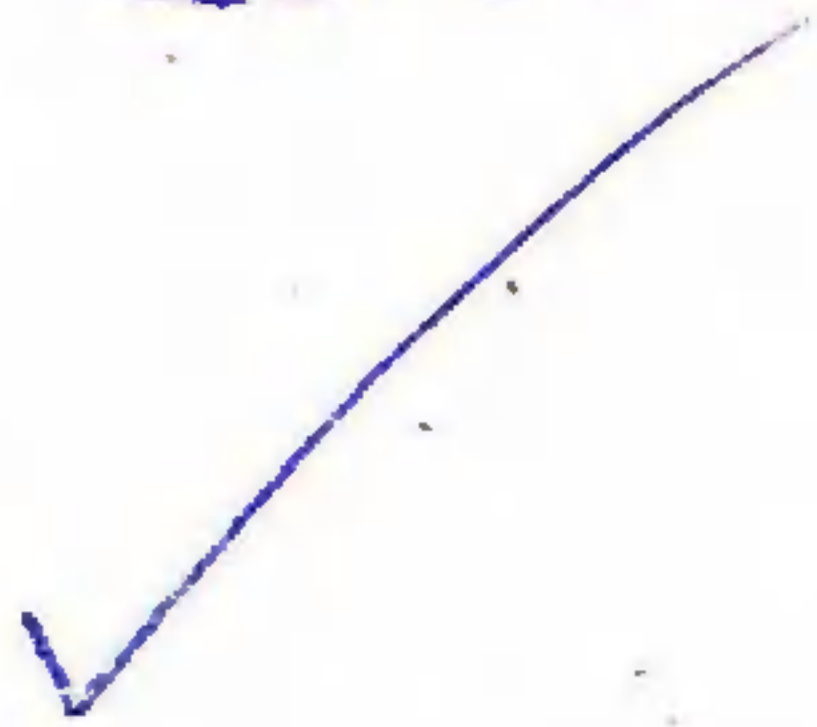
مکتبہ ظفر ناشر قرآنی قطعات، گجرات

محلہ فیض آباد، بالمقابل جامع مسجد ۔۔۔ گجرات (پاکستان)

فہرست

۲۲۳۷۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

سید مودودی کے نام

جن کے افکارِ عالیہ نے ڈاکٹر نذیر احمد شہید،
تسنیم عالم منظر مرحوم، عبد المالک شہید اور دیگر لاکھوں
جواں ہمّت شاہینوں کو اسلامی انقلاب کی خاطر
جاں سپاری کا جذبہ بخشا۔

(حافظ محمد ادریس)

تعارف

مجھے بچپن سے ہی تاریخ سے دلچسپی رہی ہے۔ میں نے جب سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ میرا خاص "مشغلہ" رہا ہے۔ جب میں ابھی لکھنا پڑھنا اچھی طرح نہ جانتا تھا۔ اس وقت تاریخی واقعات سُن سُن کر یاد کر لیتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں بالکل ابتدائے عمر سے جمعہ کی نماز باقاعدگی سے پڑھنے جایا کرتا تھا۔ باقی نمازوں کے معاملے میں سُستی کے باوجود جمعہ کی نماز میں پابندی کی دیگر وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ خطبۂ مسنونہ سے پہلے میرے تایا محترم[1] جو تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اس میں تاریخی واقعات کا تذکرہ بہت ہوتا تھا۔ سات آٹھ سال کی عمر میں سُنے ہوئے واقعات مجھے اکثر و بیشتر اب بھی یاد ہیں۔ یوں تو وہ واقعات بعد میں میں نے تاریخوں میں بار بار پڑھے۔ مگر اس ابتدائی سماعت کی لذّت و کیفیّت کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ ماہِ رمضان میں ہر دوسرے تیسرے روز نماز تراویح کے بعد نمازیوں کے اصرار پر تایا محترم کو تقریر کرنا ہوتی تھی۔ میں وہ تقریر سننے کے لئے نماز تراویح پڑھنے مسجد میں چلا جاتا تھا۔ گرمیوں کے روزے ہوتے۔ ایک آدھ تراویح کے بعد ہی میں پیچھے کی صفوں پر پڑ کر سو رہتا۔ مگر اپنے کچھ بزرگوں سے میں نے کہہ رکھا تھا کہ وتر کی نماز شروع ہوتے ہی مجھے جگا دیا جائے تاکہ میں بعد میں تقریر سن سکوں۔

۱؎ میرے والد محترم میاں فیض محی الدین کے بڑے بھائی حافظ غلام محی الدین صاحب زمیندار موضع بچا میانہ (گجرات) صرف سمجھنے کے لئے [م ت ب ا ح ر] —— متبحر عالم دین ہیں۔ لیکن زمینداری کی مشغولیت میں علم کا حق ادا نہیں کر سکے۔

یہ سطور لکھتے ہوئے ہی مجھے وہ منظر یاد آرہا ہے جب رمضان کی ایک رات ہم نے صلح حدیبیہ کے حالات و واقعات سنے تھے۔ غالباً تراویح میں سورۂ فتح پڑھی گئی تھی۔ اور بعد میں اس کے معانی و مضامین پر تقریر ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے حالات و واقعات سن کر میں بہت زیادہ متأثر ہوا تھا۔ اور فرطِ جذبات سے بے تحاشا میرے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ تقریر سننے کے بعد جب میں گھر جاکر اپنی چارپائی پہ لیٹا۔ تو رات بھر مجھے نیند نہ آئی۔ میں سوچتا رہا کہ کاش میں بھی اس دور میں پیدا ہوا ہوتا۔ جس دور میں صحابہ کرام حضور اکرم علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ اور آپ کے ایک اشارۂ ابرو پر جانیں تک قربان کر دینے کے لئے پروانہ وار دوڑ پڑتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ میں اس جگہ جاکر وہ مقامات اپنی آنکھوں سے دیکھوں جہاں ہادیٔ اعظمؐ کے قدم پڑے۔ اور جہاں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے ان کا خون دھرتی کے سینے پر بہتا رہا۔

ان دونوں میں سے پہلی خواہش کو حسرت کہا جا سکتا ہے۔ اور دوسری کو تمنا یا آرزو۔ حسرت کو تو حضرت مقداد بن عمروؓ (صحابی) نے ختم کر دیا ہے۔ لیکن آرزو جوں کی توں قائم ہے۔ بلکہ ہر گزرنے والا لمحہ اسے تیز تر کرتے جاتا ہے۔

حضرت مقداد بن عمروؓ کا نام اسی دورِ طفولیت میں سنا تھا جب کہ میرا ذریعہ علم میری سماعت تھی۔ جنگ بدر کے واقعات میں ان کی وہ پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر مجھے کبھی نہیں بھول سکتی جس کا ذکر ایک جمعہ کے خطبے میں میں نے سنا تھا۔ اس وقت مجھے عربی الفاظ یاد نہ تھے بس اپنی زبان میں ان کا مفہوم ہی ذہن میں محفوظ تھا۔ اس تقریر کے اصلی الفاظ ہم تو آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ یہ تقریر جنگ بدر جیسے کٹھن معرکہ پر روانگی سے پہلے کی ہے۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِمْضِ لِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ۔ فَاِنَّا مَعَکَ حَیْثُمَا اَحْبَبْتَ۔ لَا نَقُوْلُ لَکَ کَمَا قَالَ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لِمُوْسٰی اِذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا

قَاعِدُوْنَ ۝ وَلٰکِنْ نَقُوْلُ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا مَعَكُمَا مُقَاتِلُوْنَ مَا دَامَتْ عَيْنٌ مِّنَّا تَطْرِفُ۔

ترجمہ:۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زیادہ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جس طرف آپ کو اللہ تعالیٰ نے پیش قدمی کا حکم دیا ہے اس طرف چلیئے۔ آپ جس طرف بھی چلیں گے۔ ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے (عمالقہ سے جنگ سے قبل) موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی۔ "موسیٰ تو اور تیرا رب جاکر دشمن سے لڑے۔ ہم تو یہ بیٹھے ہوئے ہیں"۔ بلکہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ سے کہتے ہیں۔ کہ چلیئے آپ بھی اور آپ کا رب بھی دشمن سے لڑنے کے لئے اور ہم آپ دونوں کے ساتھ جان کی بازی لگانے کے لئے میدانِ کارزار میں آگے بڑھیں گے۔ ہماری جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کررہی ہے

اس روز سے حضرت مقداد بن عمرو رضؓ کی شخصیت میرے دل ودماغ میں بس گئی۔ اس واقعہ کے کئی سال بعد جب میں حضرت مقدادؓ کے حالات کا مطالعہ کررہا تو مجھے انہوں نے میری خواہش پر ملامت کی۔ آپ بھی سنیئے۔ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے۔ کہ ان کی آخری عمر میں ان کے پاس بڑی محفل لگی رہتی تھی۔ لوگ ان سے اسلام کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک نوجوان تابعی نے واقعات رسالتمآبؐ سُنے۔ تو فرطِ عقیدت سے کہا "کتنے سعادت مند ہیں وہ لوگ جنہوں نے حضور کا زمانہ پایا۔ اور کتنے بدنصیب ہیں ہم لوگ جو اس دور سے محروم رہ گئے.........."

سن کر حضرت مقدادؓ بن اسود نے اپنا درہ لہرایا اور غصے سے کہا۔ ارے مجنون! تو کیا کہہ رہا ہے۔ تجھے کیا معلوم اس وقت تو کس کیمپ میں ہوتا۔"

حضرت مقدادؓ کے اس مختصر مگر جامع جواب نے دل میں بیٹھی ہوئی اس حسرت کو ختم کر دیا۔ اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ اس نے اسلام کی نعمت سے نوازا ہے۔ بڑی سعادت کا زریں موقع اپنے ساتھ بڑی شقاوت کی آزمائش بھی تو رکھتا ہے۔

حسرت کا تو یہ انجام ہوا۔ لیکن تمنائے دلِ مضطرب کا حال یہ ہے کہ

جی چاہتا ہے۔ پر لگ جائیں۔ تو اڑ کر دیارِ حبیب میں پہنچ جاؤں۔ اور ان متبرک مقامات کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر لوں۔ جنہوں نے خاتم النبیینؐ اور ان کے بلند پایہ ساتھیوں کے قدم چومے تھے۔ اللہ کرے یہ آرزو پوری ہو جائے۔ آمین!

عمر کے اس ابتدائی دور میں جب میں سکول کی تیسری چوتھی جماعت میں تھا میری عادت یہ تھی۔ کہ آٹھویں جماعت تک ہر جماعت کی اردو اور تاریخ کی کتابیں بار بار پڑھ ڈالتا تھا۔ اردو کے نصاب میں بھی بعض تاریخی مضامین شامل ہوتے تھے۔ اس مطالعہ کے باوجود مجھے اطمینان قلب کبھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ مڈل سکول کی لائبریری میں تاریخی ناول تو بہت تھے۔ مگر تاریخ کی کتب مفقود تھیں۔ ایک زمانہ تک میں نے تاریخ اسلام کو ان ناولوں میں بھی تلاش کیا۔ مگر مایوس ہو کر ان کا مطالعہ چھوڑ دیا۔ سکول ہی کے زمانہ میں مفکر اسلام سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن پڑھنے کا موقع ملا۔ پہلی مرتبہ مجھے معلوم ہوا۔ کہ جو واقعات میں نے تقریروں میں سن رکھے تھے۔ وہ من و عن اس کتاب میں کہیں نہیں لکھے گئے ہیں۔ تفہیم القرآن کے مطالعہ سے اطمینان قلب کی دولت تو ملی۔ لیکن مجھے تاریخی واقعات خصوصاً صحابہ کرام کے سوانح یکجا پڑھنے کا جو شوق تھا۔ وہ پورا نہ ہوا۔ جس زمانہ میں تفہیم کی پہلی جلد کا میں مطالعہ کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری کی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول میری نظر سے گزری۔ اس کتاب

ہیں سیرت نبوی صاحبہا السلام کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے حالات بھی ضمناً زیر بحث آتے رہیں۔ اور قاضی مرحوم نے بڑے مؤثر اور دلنشین انداز میں انہیں نذرِ قارئین کیا ہے۔ مگر یہاں بھی یہ معاملہ ہے۔ کہ صحابہ کی سیرت سے وہی چند واقعات تحریر کئے گئے ہیں جو سیرتِ رسولؐ سے متعلق ہیں۔

سکول کی زندگی میں صرف ایک کتاب ایسی ملی جس میں ایک صحابی کے حالات یکجا مل سکے۔ یہ کتاب علامہ شبلی نعمانی کی "الفاروق" تھی۔ یہ کتاب میں نے ایک بار ختم کر لی۔ تو فوراً دوسری مرتبہ اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور غالباً میری زندگی میں کسی کتاب کو یوں (بغیر کسی وقفہ کے) دو مرتبہ پڑھنے کا یہی ایک واقعہ ہے۔ اس کتاب سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حالات تفصیل سے سامنے آئے۔ میرے فطری شوق کو اس کتاب نے اور اشتہا بخشی۔

کالج میں جا کر مختلف مصنفین کی اردو کتابیں پڑھنے کو ملیں۔ ان میں سے دارالمصنفین کی سیرت مہاجرین۔ سیرت انصار اور طبقات ابن سعد کا اردو ترجمہ خاص طور پہ قابل ذکر ہے۔ ایف۔ اے کے پہلے یا دوسرے سال کالج میگزین میں (کریسنٹ۔ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور) میں نے حضرت حمزہؓ کے حالات زندگی پہ ایک مضمون لکھا۔ اس دوران کئی صحابہ پہ مختلف مجلسوں میں میں نے مضامین پڑھے۔

یہاں تک کا میرا تاریخی سفر بڑا دلچسپ تھا۔ مگر اس وقت تک مجھے اسلام کے فلسفۂ تاریخ سے گہری واقفیت اور قریبی تعلق قائم نہ ہوا تھا۔ تفہیم القرآن نے مجھے چونکا تو دیا تھا۔ مگر شعوری بیداری ابھی نہ ملی تھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں جب مجھے اسلامی جمعیت طلبہ کے قریب آنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور میں نے نصاب رکنیت (اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن بننے کے لئے مطالعۂ قرآن و حدیث اور مطالعہ لٹریچر ضروری ہے جن کتب کو نصاب رکنیت کہا جاتا ہے) کا مطالعہ شروع کیا۔ تو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

میری تقریروں میں تاریخی واقعات کا تذکرہ کسی بات کو سامعین کے ذہن میں راسخ کرنے کی خاطر ہونے لگا۔ تحریکِ اسلامی کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں کی گئی تقاریر، اجتماعات عام، جلسہ ہائے عام اور تربیت گاہوں کی تمام تقاریر اس میں شامل ہیں۔ میں عنوانات قائم کر کے ہر ایک عنوان پر تاریخی واقعات سے استشہاد کرتا۔ اسی طرزِ خطاب کی وجہ سے اسلامی جمعیّت طلبہ اور جماعت اسلامی کی تربیت گاہوں میں عموماً اس قسم کے عنوانات تقریر کے لئے دیئے جاتے ہیں مثلاً تاریخ دعوت و عزیمت، سیرت رسول اللہ، سیرت صحابہ، ایمان اور آزمائش، ہم اندھیروں میں چراغ جلاتے گئے، تحریکِ اسلامی منزل بمنزل۔ علیٰ ھذا القیاس۔

قرآن کا فلسفۂ تاریخ یہ ہے "فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" یعنی تاریخی واقعات کو پڑھنا اور سننا محض وقت گزارنے کے لئے اور مشغلہ کے طور پر نہیں۔ بلکہ اس سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اور قرآن مجید میں بیان ہونے والے ہر تاریخی واقعہ کی غرض و غایت یہی ہے کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ اچھی مثالوں کی پیروی کریں۔ اور اپنے آپ کو نعمتِ ربانی کا مستحق بنائیں۔ بُری مثالوں سے سبق حاصل کر کے بُرے کاموں سے مجتنب رہیں تاکہ خسارہ اٹھانے والوں میں شامل نہ ہوں۔

اسی نقطۂ نظر سے میں نے تاریخ کا مطالعہ کیا۔ اور واقعات کو ذہن میں محفوظ کرنے کے ساتھ اپنی ڈائری میں منضبط بھی کر لیا۔ ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خاں مارشل لاء کے دوران پنجاب یونیورسٹی کا انتخاب جیتنے کے بعد جب مجھے ایک سال جیل بھیجا گیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گئیں۔ جب بھی میں گاؤں میں ہوتا ہوں۔ عموماً جمعہ کا خطاب آج تک میرے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ جمعہ کے علاوہ بھی اگر مسلسل کچھ عرصہ گھر رہنے کا موقع ملے۔ تو نماز فجر کے بعد روزانہ باقاعدہ خطاب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس دور میں ان تاریخی واقعات نے بڑا کام دیا۔ میرے دوسرے ساتھی مختلف جیلوں میں منتقل کر دیئے گئے۔ اور مجھے ساہیوال جیل بھیج دیا گیا[1]۔ یہاں میں نے سوانح صحابہ پر قیدیوں کے سامنے لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران ساہیوال جیل میں ہمیں بہترین ٹیم ملی۔ جواب بھی قیدیوں میں تحریکِ اسلامی کا پیغام پھیلا رہی ہے۔

ساہیوال جیل میں لیکچرز کے دوران بعض احباب نے توجہ دلائی۔ کہ ان لیکچرز کو مضامین کی صورت میں تحریک اسلامی کے رسائل میں چھپوانا چاہیئے جیل میں تو ذرائع و وسائل نہ تھے۔ اور اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جاتا لیکن جیل سے باہر آ کر میں نے اس مقصد کے لیئے کام شروع کر دیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں اسلامی جمعیت طلبہ کے جیتنے کے بعد میں مضامین لکھنے کے لیئے تمام ضروری مواد فراہم کر لیا۔ پہلا مضمون میں نے مارچ ۱۹۷۱ء میں حضرت مصعب ابنِ عمیر پر لکھا۔ محمد صلاح الدین (مدیر تکبیر) کو نے اسے دیکھا۔ اور میرے مسلسل مضمون نویسی کے ارادے ان پہ کھلے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس طرح ایک کتاب مرتب ہو جائے گی۔ چنانچہ ہفت روزہ "آئین" لاہور میں جب یہ مضمون اشاعت کے لیئے بھیجا۔ تو میں نے مدیر آئین کو لکھ دیا کہ یہ سلسلہ مضامین مستقل ہو گا۔ اور بعد میں اسے کتابی صورت دی جائے گی۔

یہ سلسلہ جاری تو رہا۔ لیکن میری مصروفیات کی وجہ سے درمیان میں کبھی تعطل بھی پیدا ہو جاتا رہا۔ ہفت روزہ آئین کے مدیر اور میرے نہایت محترم دوست مظفر بیگ صاحب بار بار توجہ دلاتے رہے۔ اور مجھے مصروفیات کے باوجود مضامین

---

[1] اس دوران حافظ صاحب اپنی ڈائری لکھتے رہے ہیں۔ ہمارا اصرار ہے کہ حافظ صاحب وہ ڈائری مرتب کر دیں۔ تاکہ اسے جلد از جلد شائع کر کے نذرِ قارئین کیا جائے۔

(ادارہ)

ارسال کرتے پڑتے رہتے۔ کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعلان تو کر دیا تھا لیکن
ہیں نہ مجھے اس سلسلہ میں کوئی خاص دلچسپی نہ رہی۔ لیکن جب کبھی کسی مقام پہ جاتا۔ تو
جمعیت طلبہ و جماعت اسلامی کے احباب پہلی ہی ملاقات میں پوچھتے "صحابہ کی
یہ کتاب کب منظرِ عام پر آرہی ہے"۔ یہ بار بار کا سوال مجھے یاد دہانی کراتا رہا۔ ا
سلسلہ میں بعض بزرگوں اور دوستوں نے سوال سے آگے بڑھ کر شدید اصرار بلکہ
بار تقاضا کیا۔ کہ کتاب جلد شائع کرائی جائے۔ مولانا فضلِ معبود (پشاور) مولانا خا
ربانی (ملتان)، مولانا سلطان طاہر (حیدر آباد) شیخ ظہور احمد (جلالپور جٹاں) گجرا
شیخ محمد انور (وزیر آباد) گوجرانوالہ مرحوم تسنیم عالم منظر کراچی (سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جم
طلبہ پاکستان) اور مولانا محمد سلطان (مرکز) جماعت اسلامی پاکستان لاہور خاص طو
قابلِ ذکر ہیں۔

یہ سلسلہ مضامین جو مارچ ۷۱ء میں شروع ہوا۔ اپریل ۷۲ء میں بیس (۲۰) صح
کے حالات زندگی لکھنے پر ختم کر دیا گیا۔ ہفت روزہ آئین لاہور میں یہ لکھے ہوئے مض
بعد تک شائع ہوتے رہے۔ یہ کتاب بیس صحابہ کرام کے مختصر ترین حالاتِ زن
پر مشتمل ہے۔ حالات لکھتے وقت اتنے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ کہ اس سے مخ
کرنا شاید ممکن نہیں ہے۔ صحابہ کرام میں سے عشرہ مبشرہ[1] کے حالات چھوڑ دیے گ
ان کو انشاء اللہ پھر کبھی لکھا جائے گا۔ جن بیس صحابہ کرام کے حالات اس کتاب میں
گئے ہیں۔ یہ میرے نزدیک وہ صحابہ ہیں جن کا نام تو عموماً پڑھے لکھے لوگ جانت
مگر ان کے ایمان افروز واقعات سے اکثر بے خبر ہیں۔ ان کے حالات میں میں نے
کی ہے۔ کہ ایسے واقعات لوں جن کے اندر اسلام ایک تحریک ——— چلتی پھ
——— زندہ و فعال تحریک ——— کی صورت میں نظر آسکے۔ اس میں میں کہاں تک

---

[1] عشرہ مبشرہ کے حالات پر کتاب جلد ہی شائع کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا فیصلہ قارئین کے ذمے ہے۔

امید ہے۔ کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اسلامی موضوعات پر مضامین لکھنے اور اسلام سے متعلق مختلف عنوانات پر تقریریں تیار کرنے کے لئے انشاءاللہ مفید معلومات قارئین کو مل سکیں گی۔ اس سے بڑھ کر زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے۔ کہ ایک بندہ مومن اپنی تحریک کے ابتدائی کارکنوں کی زندگیوں سے روشنی حاصل کر کے اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو منور کر سکتا ہے۔ یہ وہ درخشندہ ستارے ہیں جو براہ راست نور رسالت سے متمتع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی روشنی زمانے کی گردشوں سے ماند نہیں پڑ سکتی۔ یہ ہمیشہ متلاشیان حق کے لئے انوار ہدایت بکھیرتے رہیں گے یہ سدا بہار پھول ہیں جن کی مہک اور خوشبو پر وقت کی طوالت اثر نہیں کر سکتی۔ یہ اپنی جانفزا خوشبو سے قیامت تک لوگوں کو مستفید کرتے رہیں گے۔ استفادے کے لئے صاف دلی شرط اولین ہے۔

پیش نظر سی کتاب ہے جو پیش کش ہے صحابہ کے حالات پر اسی سلسلہ کی کچھ مزید کتابیں بھی انشاءاللہ مرتب کی جائیں گی۔

اس کتاب میں جو بھی باتیں اور خیر کے پہلو ہیں وہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہیں اور جہاں جہاں کوئی خامی رہ گئی ہے۔ وہ میری کمزوری کی ہے۔ اللہ مجھے معاف کرے اور قارئین کو توفیق دے۔ کہ ایسے ہر مقام کی نشاندہی کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔

المستفنی منی والاتمام من اللہ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ○

حافظ محمد ادریس

چک میانہ چھوڑا (گجرات)

جمعۃ الوداع ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ مطابق ۔۔ ۱۹۷۲ء

دیباچہ

اس دور میں جبکہ ہر فرد مادہ پرستی کی دوڑ میں دوسرے سے سبقت لے جانے کی
کوشش میں مصروف ہے۔ کچھ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو اس دوڑ سے لا
رکھتے ہوئے دین حق کی سربلندی کے لئے کوشاں ہیں۔ اور تحریکی تقاضوں کو اولیت د
کی پالیسی پہ گامزن ہیں۔ یہ افراد جہاں کہیں ہیں۔ اور جس حال میں ہیں۔ تحریک اسلامی کے کاروا
مسافر اور ساتھی ہیں۔ ان سے ہی دنیا میں امید کے دیئے جلتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی حقیقت
میں پہاڑوں کا چراغ ہیں۔ کاروانِ شوق کے انہی مسافروں میں برادرم حافظ محمد ادریس
شامل ہیں۔ جنہیں میں اس وقت سے جانتا ہوں۔ جب میں ذیلی حلقہ لائل پور کا ناظم ہو
تھا۔ اور حافظ صاحب حلقہ وسط مغربی پاکستان کے معتمد۔ اگرچہ انہیں رکن بنے اور ا
ذمہ داریوں کو سنبھالے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن اپنی ذہانت، خلوص اور خدا سے
تعلق کے نتیجہ میں بہت جلد اپنے آپ کو مختلف نازک ذمہ داریوں کا اہل ثابت کیا۔
حافظ ادریس جو عام گپ شپ کے ماحول میں اپنی اہمیت اور موجودگی کو منوایا کرتے
جب تنظیمی، تربیتی اور دیگر تحریکی مسائل پر بولتے تو یوں محسوس ہوتا۔ جیسے انہیں ان
کے علاوہ کوئی کام نہیں۔ اور شاید مسکراہٹ نے ان کے لبوں سے دور ہی رہنے کی
کھا رکھی ہے۔ پھر ان سے زیادہ تفصیلی آگاہی اس وقت حاصل ہوئی جب حافظ صا
پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر منتخب ہوئے۔ لیکن ابھی حلف اٹھانے کی
بھی آئی تھی۔ کہ نذر زندان کئے گئے۔ اس پورے عرصہ کو جس جرأت سے انہوں نے گز
وہ ایک مثال بن چکا ہے۔ افراد جیلوں میں جاتے رہتے ہیں۔ اور جاتے رہیں گے۔ لی

تقلید وہی آتا جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں تحریک کی انا، اس کا وقار اور اس کے اصولوں میں
کسی بھی چیز کی قربانی نہ دینا پڑے۔ مجھے خوشی ہے۔ کہ حافظ صاحب اپنی افراد کی
میں شامل ہیں۔ جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہیں حکومت کے کسی کارندے
بالواسطہ یا براہ راست بات چیت کے نتیجہ میں رہا ہونے کی بجائے جیل میں رہنا قبول
۔ وہ جیل گئے تو جرأت سے گئے۔ اور واپس آئے۔ تو تکبّر کی بجائے انکساری کی
ویر بنے ہوئے تھے۔

میں انہیں محض اس لیے پسند نہیں کرتا۔ کہ وہ تحریکِ اسلامی کے ایک کارکن ہیں۔
پسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے اکہ ہنگامی نعروں اور رسالوں و اخباروں کے بل بوتے
انہوں نے اپنے کو تحریک کے حلقوں میں متعارف نہیں کرایا۔ بلکہ پیہم اور مسلسل کام
نتیجہ میں اور فطری انداز سے آگے بڑھے ہیں۔

اب تک کی تمام گفتگو کتاب کی بجائے صاحبِ کتاب سے متعلق تھی۔ اس کی جہاں
ک وجہ یہ ہے۔ کہ کسی کتاب کے سلسلہ میں دیباچہ تحریر کرنے کے "فن" سے میں آگاہ ہی
ہیں۔ وہیں دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ کہ جب تک کتاب کے ساتھ ساتھ صاحبِ کتاب کی
شان کے بارے میں قارئین کو علم نہ ہو۔ وہ کتاب کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے،
مجھے حافظ صاحب سے متعلق یہ سطور محض اس لیے لکھنا پڑی ہیں۔ کہ انہوں نے
سوچ سمجھ کر اپنے لیے ایک لائحہ عمل طے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جیل کی
صعوبتیں اور دوسری اذیتیں برداشت کرتے ہوئے، اپنے آپ کو جرم بے گناہی میں
انی پختہ کیا ہے۔ انہوں نے بہترین تعلیمی کریکٹر رکھنے کے باوجود کسی اعلیٰ دنیوی منصب
کے حصول کی کوشش کرنے کی بجائے تحریک اسلامی کے ایک عام کارکن کی حیثیت سے
کام کرنے کا فیصلہ کر کے استغنا کا ثبوت دیا ہے۔ ایسا فرد جب کوئی تحریر لکھے گا۔ تو
اخلاص کے جذبہ کے تحت اور کسی تحریکی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھے گا۔ تشہیر

اور واہ واہ کے نکتہ نظر سے کچھ لکھنا ان کے بس کی بات نہ ہو گی۔

ابتدا میں جب صحابہ کرامؓ کی زندگی سے متعلق واقعات انہی کے قلم
روزہ آئین میں قسط وار شائع ہو رہے تھے۔ تو میری خواہش تھی۔ کہ یہ سلسلہ
رہے۔ اور بعد میں کتابی صورت میں اسے شائع کروایا جائے۔ مجھے خوشی ہے
یہی سلسلہ مضامین "روشنی کے مینار" کے نام سے کتابی صورت میں چھپ رہا

صحابہ کرام کی سیرت اور ان کے ایمان افروز واقعاتِ زندگی سے متعلق کت
بہت بڑی تعداد میں لکھی گئی ہیں۔ اور مارکیٹ میں موجود بھی ہیں۔ لیکن قائد تحریک ا
مولانا مودودی صاحب کے قول کے مطابق کہ جسے قرآن کو سمجھنا ہے۔ وہ حق کی
کو قبول کرتے ہوئے میدانِ عمل میں داخل ہو۔ قرآنی آیات کے مفاہیم اس پر خو
کھلتے چلے جائیں گے۔ میرا یہ نکتہ نظر ہے۔ کہ صحابہ کی زندگی کے واقعات کو
کرتے ہوئے اُن کے ساتھ انصاف وہی کر سکتا ہے۔ جو خود اس دا
شوق میں چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ جس میں صحابہ کرام چلے تھے۔ خود اس دعوت
قبول کئے ہوئے ہو۔ جس کو انہوں نے قبول کیا تھا۔ اس کے بغیر واقعات میں
پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ چونکہ حافظ صاحب خود اس دعوت کے آمین اور سپاہی
یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی تحریر میں اثر انگیزی ہے۔ اور تمام واقعات میں تحریکیت
جذبۂ عمل کو بیدار کرنے کی سعی کار فرما دکھائی دیتی ہے۔ میرے نزدیک یہ کتاب ا
مسلم نوجوان کو اس کے حسین ماضی سے آگاہ ہی نہیں کرتی۔ بلکہ اسے اس ماضی
مطابق حال اور مستقبل کو ڈھالنے کی تمنا بھی بخشتی ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ایک قاری صحابہ کرام کو مافوق الفطرت مخلوق سمجھ
ہوئے محض عقیدت سے سر نہیں جھکا دیتا۔ بلکہ انہیں انسان اور تحریکِ اسلامی کے
مجاہدوں کی حیثیت سے دیکھتے ہوئے انہی کے نقشِ قدم پہ چلنے کی تڑپ اور جذبہ

اندر موجزن پاتا ہے۔

آنحضورؐ کی شخصیت کے بعد صحابہ کرام ہی اس مقام پر ہیں۔ کہ ان کی اتباع کی جائے ہی سے اکتساب نور کیا جائے۔ کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ جو روشنی کے میناروں کی حیثیت ہتے ہیں۔ فی الحقیقت آپؐ ہی کی دعوت کے مختلف پرتو ہیں۔ اس وقت جب کہ پوری نیت بگاڑ کی طرف تیزی سے سرگرم سفر ہے۔ بے یقینی، افراتفری، بگاڑ اور انتشار پورے ماحول کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اس کے اثرات بعض دفعہ اس حد ہمہ گیر ہوتے ہیں۔ کہ اس ماحول کو صالح ماحول سے بدلنے کا دعویٰ کرنے والے گروہ تی رکھنے والے بعض حساس افراد مایوسی اور قنوطیت کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ ان ت میں اگر قرآن وسنت کے بعد کوئی قوت مایوسیوں سے بچاتے ہوئے عزم نو عطا کرنے وت بنتی ہے۔ تو وہ صرف اور صرف صحابہ کرامؓ کی سیرتوں کا مطالعہ ہے۔ اس لئے کہ حضرات نے جب اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ تو معاشرہ موجودہ دور سے بڑھ کر انتشارِ فکری کا شکار تھا۔ اس سے زیادہ تیز رفتاری سے ہلاکت اور تباہی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ندگی نے پورے ماحول کو اپنے پنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ ڈنڈے کا قانون اور ڈنڈے کی ومت تھی۔ ان سب کچھ باوجود محض تائید ایزدی نصب العین سے والہانہ عشق اور یرت وکردار کی پختگی یہ وہ تین چیزیں تھیں جنہوں نے دنیا کے مجبور و بے کس اور ناتواں دوں کو اپنی دعوت ہی کی ترویج و اشاعت کے لئے پوری دنیا پر چھا جانے کا قع دیا۔

میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے۔ پہلے تو سلسلہ مضامین پڑھا تھا۔ اور اب سودہ دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس مطالعہ کے بعد مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کتاب اور اس کا ہر باب یہ پیغام دے رہا ہو۔ کہ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

میں یہ چاہوں گا۔ کہ اس کتاب کے واقعات تاریخی قصوں کی حیثیت سے پڑ
بجائے اس کا جائزہ اپنی تاریخ کے روشن باب کی حیثیت سے لیا جائے صرف اس
میں ہم اپنے موجودہ دور کی تاریخ کے سیاہ ابواب کو سنہری ابواب میں تبدیل کر
قابل ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رہنا چاہیئے۔ کہ اس
تحریک اسلامی کے مجاہدوں اور کارکنوں کا تذکرہ ہے۔ اور آپ بھی تحریک اسلا
کے کارکن ہیں۔

مطالعہ کا یہ انداز آپ کے اندر "جذبۂ خود احتسابی" پیدا کرنے کا باعث بنے گ
انداز فکر کے نتیجہ میں آپ اپنی سیرت سازی کی طرف بھی توجہ دے سکیں گے۔ اور آ
زندگی کے اندر جمود کی بجائے حرکت اور تحریکیت پیدا ہو گی۔ جو اس کتاب کی وجہ
بنی ہے۔

بلاشبہ اس کتاب کے بعض مضامین میں اندر سے تشنگی محسوس ہوتی ہے
کی وجہ اختصار ہے۔ لیکن اس مجموعے کی افادیت سے انکار کرنا کم ظرفی ہو گی۔
جہاں ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔
نوجوانوں کے لئے خصوصی پیغام رکھتا ہے۔ میرے خیال میں اگر اس کتاب کی
مخاطب "نوجوان نسل" ہی قرار دی جائے۔ تو بے جا نہ ہو گا۔

کیونکہ کسی بھی معاشرے کے اندر نوجوانوں کا گروہ ہی فعال کردار ادا کر
ہے۔ لہذا اس ملک کے نوجوانوں کو اس کتاب کا خصوصی مطالعہ کرنیکا مشورہ د
میری خواہش ہے۔ کہ برادرم ادریس صاحب اس سلسلہ مضامین کو مکمل کرنے
بعد موجودہ دور کے شہدائے تحریک اور مجاہدین پر بھی قلم اٹھائیں۔ تاکہ یہ غلط
جو بعض حلقوں میں پائی جاتی ہے۔ کہ اس دور کے افراد کا اپنی سیرت و کردار کو اتنا

ما اس لیئے ممکن تھا۔ کہ براہ راست دنیا کے سب سے بڑے مربیؐ کی طرف سے
ہی تربیت کا اہتمام ہو رہا تھا۔ لیکن اس دور میں یہ سہولت حاصل نہ ہونے کی وجہ
ے اپنی سیرت و کردار کے اندر پختگی پیدا کرنا اور تحریک اسلامی کا پرجوش سپاہی بننا ممکن
ں"۔ کا ازالہ ہو سکے۔ آج شہدائے اخوان، ڈاکٹر نذیر شہید، چوہدری علی احمد،
ہدری غلام محمد، تاج الملوک اور چوہدری اکبر، تسنیم عالم منظر مرحوم، شہید الحاکم شہید،
جمال شہید، مصطفےٰ عمران شہید۔ جیسے مجاہدوں کی قربانیاں اور ان کے جوش
جذبۂ عمل سے اس نوجوان نسل کو آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ خدا کرے۔ کہ یہ سعادت
حافظ صاحب کے ہی حصہ میں آئے۔

ظفر جمال بلوچ
(ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان)

۴۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور
۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ ۱۵ جنوری ۱۹۷۳ء

حضرت زیدؓ بن حارثہؓ

حضرت زیدؓ بن حارثہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے محبوب ترین صحابہ میں سے تھے۔ آپ کا تعلق عرب کے معروف قبیلہ بنو قضاعہ کی شاخ بنو بکر سے تھا۔ یہ قبیلہ یمن کے عرب قبائل میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی والدہ قبیلۂ بنو طے سے تھیں۔ زید کے بچپن میں ایک بار ان کی والدہ انہیں اپنے ساتھ لے کر میکے جا رہی تھیں۔ راستے میں ایک جگہ زید خیمے کے باہر کھیل رہے تھے کہ قبیلۂ بنو قین کے کچھ ڈاکو اس بچے کو اٹھا لے گئے، اور عکاظ کے بازار میں جا کر بیچ ڈالا۔ زید کو مکّہ کے تاجر حکیم بن حزام نے چار صد درہم میں خرید لیا اور اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر دیا۔ قبیلہ بنو قین کے غارت گروں نے تو اپنے طور پہ زید پر بہت بڑا ظلم کیا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔

ادھر زید کا تیں غلام بنا کر بیچے جا رہے تھے اور ادھر ان کے گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ زید کے والد کو بچّے کی گمشدگی کا علم ہوا تو اس کی حالت غیر ہو گئی۔ قبیلے کے افراد کو ساتھ لے کر اس نے عرب کے ریگ زار چھان ڈالے۔ جگہ جگہ جا کر تلاش کیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ ناکامی کے باوجود باپ مایوس ہو کر بیٹھ نہیں گیا بلکہ اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ عمر بھر اپنے لختِ جگر کی تلاش جاری رکھے گا۔ تا آنکہ وہ اسے پالے۔

حضرت زید کے والد حارثہ بن شرحبیل عربی زبان کے بلند پایہ شاعر بھی تھے بچّے کی جدائی میں انہوں نے جو دکھ اٹھایا تھا اس کا اظہار ان کے اشعار سے بھی ہو رہا تھا۔

۱۹۰۸۸

بتُ علیٰ زَیدٍ وَلَمْ اَدرِ مَا فعِلْ — اَحَیٌّ فَیُرجٰی اَمْ اَتیٰ دُوْنَہُ الْاَجَلُ

(میں زید کی گم شدگی پر زار و قطار روتا رہا اور مجھے یہ علم نہیں ہے کہ زید کے ساتھ
معاملہ پیش آیا ہے۔ کیا معلوم وہ زندہ ہے کہ ہم اس کے آنے کی امید رکھیں یا
ے موت کا ظالم پنجہ دبوچ لے گیا ہے۔)

الیتَ شعْرِی ھَلْ لَکَ الدَّھرُ رَجعَۃٌ — فَحَسْبِیْ مِنَ الدُّنیَا رُجُوعُکَ لِیْ بَجَلْ

(کاش کہ میں جان سکتا کہ کیا تو کبھی واپس آئے گا۔ مجھے تیرا واپس آنا دنیا و مافیہا
ے بے نیاز کرنے کے لیے کافی ہے)۔

یہ اشعار بڑے دردناک اور قصہ غم بڑا طویل ہے۔ یہاں سارا کلام پیش کرنا
ن نہیں۔ لوگ ہر وقت غم نصیب باپ کو بیٹے کی تلاش میں ہی دیکھتے۔ اس کا کہنا تھا
ہیں مرنے سے پہلے اپنے دوسرے بیٹوں کو وصیت کر جاؤں گا۔ کہ جب تک زندہ
ں اپنے بھائی کی تلاش جاری رکھیں۔

پھر یوں ہوا کہ ایک مرتبہ یمن کے کچھ لوگ جب حج کرنے مکہ آئے تو انہوں نے
ب بازار میں زید کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ حارثہ بن شرجیل کا بیٹا زید ہے
یہ سے پوچھا تو اس نے بھی تصدیق کی۔ لوگوں نے بیٹے کے سامنے باپ کی حالت زار
یان کی تو اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ لیکن اہل قافلہ سے اس نے کہا۔

بانی بِحَمْدِ اللّٰہِ فِیْ خَیْرِ اُسْرَۃٍ — کِرَامِ مَعَدٍّ کَابِرًا الْعَدَّ کَابِرِ

(اللہ کا شکر ہے کہ اب میں بنو معد کے ایک ایسے گھرانے میں رہ رہا ہوں۔ جو
بہترین ہے اور جو نسل در نسل عزت و شرافت کا مظہر چلا آرہا ہے)

(یہ معد بن عدنان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ تھے)

ان لوگوں نے جب واپس جا کر حارثہ بن شرجیل کو اطلاع دی کہ زید صحیح و سالم مت
مکہ میں موجود ہے تو وہ اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شرجیل کو لے کر مکہ کی جانب

روانہ ہو گئے اور وہاں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "اے ابن عبدالمطلب
آپ خانہ کعبہ کے محافظ ہیں۔ غریبوں اور بے کسوں کے معاون و غم گسار ہمارا بچہ
آپ کے پاس ہے۔ جتنا فدیہ جی چاہے لے لیجئے اور ہمارا نور چشم ہمارے حوالے کر
آپؐ نے زید کو بلایا اور فرمایا: "تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟"
زید نے کہا: "میں آپؐ پہ قربان ___ میں پہچانتا ہوں۔ ایک میرا باپ ہے
اور دوسرا چچا"۔
آنحضورؐ نے زید کے سرپرستوں سے کہا۔ کہ زید کو انتخاب کا موقع دیا جائے
اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ میں ایک کوڑی زید کے
عوض وصول نہ کروں گا۔ اور اگر زید میرے پاس رہنا چاہے تو میں اسے تمہارے حوالے
نہیں کروں گا___"
زید کے والد اور چچا نے یہ تجویز سنی تو خوشی سے ان کا چہرہ دمک اٹھا انہوں
نے سوچا۔ کہ ہمارا بچہ کسی کو ہم پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے۔ لیکن زید کا جواب سن کر
حیران رہ گئے۔ زید نے کہا "میں حضورؐ پر کسی کو ہرگز ترجیح نہ دوں گا۔ میں آپؐ کے
ہی رہوں گا"۔
اس جواب سے حارثہ اور کعب کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ لیکن ایک ہی لمحے
انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے سوچا۔ کہ ان کا بچہ
جس محسنِ انسانیت کی رفاقت کا انتخاب کر رہا ہے۔ آخر وہ کتنا بلند مقام
اور اس کے ہاں ان کے بچے کو کس قدر راحت میسر ہو گی۔ جو اس نے اپنے ماں
کے مقابلے میں اس کی رفاقت کا انتخاب کیا ہے ___ یہ سوچ کر وہ اپنے بچے
گلے ملے اور رخصت ہو گئے۔
حضورؐ زید کو اپنے ساتھ لے کر خانہ کعبہ گئے اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے

زید کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا۔ پھر کہا "لوگو! میں نے زید کو اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔"

اس دن سے حضرت زید کو زید بن محمدؐ کہا جانے لگا۔ بعد میں جب سورۂ احزاب میں متبنیٰ کے متعلق یہ حکم آیا کہ وہ متبنیٰ بنا لینے سے بیٹا نہیں بن جاتا تو زید کو پھر سے زید بن محمدؐ کی بجائے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

حضرت زید حضور اکرم علیہ السلام کے اس قدر گرویدہ تھے۔ کہ انہوں نے اپنے ماں باپ پر آپ کو ترجیح دی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ حضورؐ پر ابھی وحی نازل نہیں ہوئی تھی جب آنحضورؐ کو تاج نبوت سے سرفراز کیا گیا تو زید نے اس مرحلے پر بھی حق کی طرف لپکنے میں دیر نہیں کی۔ غلاموں میں (اگرچہ حضورؐ نے انہیں آزاد کر دیا تھا) سب سے پہلے زید ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ ـــــ یہ چار وہ خوش نصیب افراد ہیں جو سب سے پہلے کلمۂ حق ادا کر کے دامنِ محمدؐ سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت زید کو مکہ میں حضور اکرم نے اپنے چچا حمزہ بن عبدالمطلب کا بھائی بنا دیا تھا اور ہجرت کے بعد جب وہ مدینہ پہنچے تو اوس کے رئیس اُسید بن حُضیر سے ان کی مواخاۃ ہوئی۔

حضرت زیدؓ کا اپنا مقام بہت بلند ہے اور صحابہ کی جماعت میں ان کی بڑی عزت اور احترام تھا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے اسامہؓ کو بھی عظیم الشان مرتبہ حاصل تھا۔ اسامہ رضؓ حضورؐ کے انتہائی محبوب صحابی تھے۔ حضور اکرمؐ نے ایک صحابیہ اُمّ ایمن کے بارے میں ارشاد فرمایا، "جو شخص چاہے کہ اس کی شادی کسی جنتی خاتون سے ہو وہ اُمّ ایمن سے شادی کر لے۔" حضرت زیدؓ نے فوراً اپنے آپ کو پیش کیا اور ان سے شادی کر لی۔ انہی عظیم القدر خاتون کے بطن سے اُسامہؓ نے جنم لیا۔

حضرت زیدؓ صحابہ کرام کی پوری جماعت میں تنہا و منفرد صحابی ہیں کہ جن کا نام لے کر قرآن مجید میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ دیگر صحابہ کے متعلق اشارات تو قرآن میں ملتے

ہیں۔ مثلاً صدیق اکبرؓ کے بارے میں واضح الفاظ میں سورۂ توبہ میں ہجرت کی ذیل میں تذکرہ ملتا ہے۔ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ۔ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ ج اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا لیکن پورے قرآن مجید میں کسی اور صحابی کا صراحتہً نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ اعزاز صرف زید ابن حارثہ ہی کو حاصل ہے۔ سورۂ احزاب میں ان کا حضرت زینب بنت جحش سے نکاح اور پھر طلاق بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ وہاں قرآن مجید نے کہا ہے "فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا" حضور اکرمؐ نے زیدؓ سے اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب بنت جحش کی شادی کر دی تھی۔ میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا۔ حضورؐ نے کافی کوشش کی کہ مصالحت ہو جائے لیکن حالات درست نہ ہوئے۔ بالآخر زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ سورۃ احزاب کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ ربّ ذوالجلال کو عرب کے معاشرے میں پھیلی ہوئی متبنّیٰ کے متعلق تمام غلط اور بیہودہ رسومات کا خاتمہ مقصود تھا۔ اس کے لیے حضور اکرمؐ کی ذات بابرکات ہی کو منتخب کیا گیا۔ زید جو متبنّیٰ رہ چکا تھا۔ اسی کی مطلقہ سے حضور اکرمؐ کی شادی اللہ تعالیٰ نے کر دی۔ باقی ازواج میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس کی شادی پہ جبریل امینؑ اللہ کے ہاں سے یہ مہر ثبت کرنے آئے ہوں کہ اللہ نے یہ نکاح کر دیا ہے۔ یہ صرف حضرت زینبؓ ہی ہیں کہ جن کے بارے میں حضورؐ کو حکم ہوا "زَوَّجْنٰکَھَا" ہم نے زینب سے تمہاری شادی کر دی۔ اس شادی کے بعد مخالفین اسلام نے ایک طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا۔ کہ دیکھو یہ نبی ہے کہ اپنی بہو سے شادی کر لی ہے لیکن ان کی ایک نہ چلی اور اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرے سے متبنّیٰ کی غلط رسم کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ بہت اچھے جنگ جو تھے۔ ان کی تیر اندازی تو ضرب المثل بن چکی تھی۔ اس فن کے وہ امام سمجھے جاتے تھے۔ حضورؐ اکثر مواقع پر انہی کی قیادت میں چھوٹے چھوٹے لشکر دشمن کے مقابلے پر روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ابن سعد نے

اپنی طبقات میں حضرت زیدؓ کے حالات لکھتے ہوئے ان کی جنگی مہمات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ زندگی میں کم و بیش نو مرتبہ سپہ سالاری کے عہدے پر فائز ہوئے اور ہر مرتبہ انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ آخری جنگ جس میں زیدؓ نے جامِ شہادت نوش کر کے سب سے بڑی کامیابی حاصل کر لی جنگِ موتہ تھی۔ حضرت زیدؓ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ زیدؓ زندگی بھر ہر جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ صرف ایک جنگ میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل نہ کر سکے اور اس میں وہ اس وجہ سے شریک نہ ہو سکے کہ محسنِ اعظمؐ نے ان کو دار الحکومت مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرما دیا تھا۔

ایک بار مسلمانوں کا تجارتی قافلہ شام کی تجارت سے واپس آ رہا تھا۔ کہ قبیلہ بنو بدر کے غارت گروں نے قافلے کو لوٹ لیا۔ حضرت زیدؓ خود اس قافلہ کے ساتھ تھے۔ مدینہ میں جب اس دردناک واقعہ کی اطلاع ملی تو حضور اکرمؐ نے زید ہی کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ بنو بدر سے لڑائی ہوئی اور اسلامی فوجوں نے عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ بہت سا مالِ غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ اسلامی فوج رات کے وقت مدینہ میں پہنچی۔ حضور اکرمؐ گھر کے اندر آرام کے لیے جا چکے تھے۔ زید نے دروازے پر دستک دی تو حضورؐ جس حال میں تھے اسی حال میں فوراً باہر نکلے۔ فاتح جرنیل کو گلے لگا لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ مجاہدین کے لیے دعائیں کیں اور پھر حالاتِ جنگ تفصیل سے سنتے رہے۔

حضرت زیدؓ نے جنگِ بدر اور اُحد میں بڑی جرأت و دلیری سے حصہ لیا تھا۔ اُحد کے میدان میں دشمنوں نے جب صحابہ کو گھیر لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کر رہے تھے تو زیدؓ بڑی بے جگری سے دشمنوں کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ آپ کو غزوۂ خیبر اور صلح حدیبیہ میں بھی حضورؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت زیدؓ کی زندگی کی آخری جنگ ــــ جنگِ موتہ بھی تاریخ اسلام کی چند

اہم جنگوں میں سے تھی اور اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔ حضور اکرمؐ نے صلح حدیبیہ کے
تمام شاہانِ عالم کے نام اسلام قبول کرنے کے لیے خطوط تحریر فرمائے تھے۔ ایک
حضرت حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ شاہِ بُصریٰ کے دربار میں بھیجا گیا۔ صحابی پیغام پہنچا
کے بعد واپس مدینہ آ رہے تھے۔ دمشق کے قریب ایک سردار شرجیل ابن عمرو غسانی نے
ان کو شہید کر دیا۔ حارث ازدیؓ کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور اکرمؐ اور تمام مسلم
سخت غمزدہ ہوئے۔ حضورؐ نے فوراً ایک لشکر تیار کیا اور سفیرِ اسلام کے خون کا بدلہ
لینے کے لیے اسے اس ہدایت کے ساتھ روانہ کر دیا، کہ زیدؓ بن حارثہ میر سپاہ ہوں گے
اگر وہ شہید ہو جائیں تو قیادت جعفر طیارؓ کے ہاتھوں میں ہو گی۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر
عبداللہ ابن رواحہؓ سپہ سالار بنیں گے اور اگر وہ بھی شہادت پا جائیں تو اسلامی فوج جسے
چاہے اپنا امیر مقرر کر لے۔

وسط ۸ھ میں یہ لشکر مدینہ سے چلا۔ دشمن کو اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے قیصرِ روم
سے بھاری امداد طلب کر لی۔ دشمن کی فوج باختلافِ روایات چالیس ہزار سے ایک
لاکھ تک تھی اور مسلمان تعداد میں صرف تین ہزار تھے۔ حضرت زیدؓ دمشق کے قریب موتہ
کے مقام پر پہنچے تو دشمن کا سامنا ہوا۔ شدید لڑائی ہوئی۔ مٹھی بھر مسلمانوں نے جان کی
بازی لگا دی۔ اس کے بعد واقعات اس ترتیب سے پیش آنے لگے۔ جن کی طرف حضورؐ
نے اشارہ فرمایا تھا۔ حضرت زیدؓ ایک نیزہ سے شہید ہو گئے تو حضرت جعفر طیارؓ نے
قیادت سنبھالی۔ انھوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو عبداللہ ابن رواحہ آگے بڑھے
اور جب وہ بھی شہید ہو گئے تو علمِ قیادت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ میں آیا۔ جنہوں نے دشمن
کے مقابلہ پر نو تلواریں توڑ دیں۔ اور دربار رسالت سے سیف اللہ کا خطاب حاصل کیا

اُدھر ـــــ دور مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے سامنے
جنگ کا پورا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ کس طرح زید شہید ہوئے۔ کس طرح یہ سعادت

جعفر طیارؓ کے حصے میں آئی۔ اور کس طرح عبد اللہؓ ابنِ رواحہ اِس منزل تک پہنچے
حضرت زیدؓ کی شہادت کی خبر پر اُن کی ایک کمسن بچّی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔
حضورؐ نے اِس بچّی کو یوں روتے دیکھا۔ تو اُن کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ انصاری
صحابی حضرت سعدؓ بن عبادہ نے کہا۔ "یا رسول اللہ! آپ بھی رو رہے ہیں؟" فرمایا۔
ہاں! یہ جذبہ محبّت ہے۔ اور آنکھوں کے رونے پر کوئی قدغن نہیں"۔

حضرت زیدؓ کو "حبِ رسول اللہ" یعنی رسول خدا کا محبوب کہا جاتا تھا۔ اُن کی
شہادت کے بعد ان کے بیٹے اسامہ کو اِسی لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے شہدائے موتہ کا بدلہ لینے کے لئے ایک فوج تیار کی۔ اور شہید موتہ زیدؓ بن حارثہ کے
فرزند اسامہؓ کو اِس کا سالار مقرر کیا۔ اُسامہ ابھی تیاری کر ہی رہے تھے۔ کہ حضورؐ رحلت فرما
گئے۔ اُسامہ واپس مدینہ چلے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خلافت سنبھالنے کے بعد لشکرِ
اُسامہ کو روانہ کیا۔ اور یہ لشکر شہدائے موتہ کے خون کا بدلہ لے کر کامیاب و کامران واپس آیا۔

حضرت زید کو حضور اکرمؐ سے اور آپؐ کو زید سے بڑی محبّت تھی۔ آنحضورؐ زید
کی اولاد کو بھی بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک بار مسجد نبوی میں بزرگ صحابی حضرت عبد اللہ
ابن عمرؓ تشریف فرما تھے۔ ایک چھوٹا سا لڑکا مسجد میں آیا۔ اور کم عمری کی وجہ سے جلدی
جلدی نماز ادا کرنے لگا حضرت ابن عمرؓ نے پوچھا۔ "یہ کون ہے"؟ کسی نے بتایا۔ کہ یہ محمّد ابن
اُسامہ ابن زید ہے۔ ابنِ عمرؓ نے اپنی گردن احترام سے جھکالی۔ اور فرمایا "حضور اکرمؐ
اگر اس کو دیکھتے تو اسے بھی عزیز رکھتے۔ اس لئے کہ زید اور اس کی اولاد کو خدا کے رسولؐ
صلی اللہ علیہ وسلم بہت عزیز رکھتے تھے"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ اگر حضور اکرم کی وفات
کے موقع پر زید زندہ ہوتے۔ تو آپ انہی کو اپنا جانشین بناتے۔ شاید ام المومنین نے
حضور کی زید سے گہری محبت اور اکثر جنگوں میں انہیں سپہ سالاری کا منصب بخشنے نیز

مدینہ میں اُن کی جانشینی کی بنا پر یہ رائے قائم کی ہوگی۔حضرت زید کی سپہ سالاری پر بعض اوقات کئی لوگوں نے اعتراض کیا۔تو حضورؐ نے اُن کو ڈانٹ پلائی۔اور کہا۔کہ زید میرا محبوب ہے۔اور اس میں تمام اچھائیاں موجود ہیں۔

اللہ تعالےٰ اس شہیدِ اسلام کے نقشِ قدم پر ہر مسلمان کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت بلال بن رباح رضؓ

حضرت بلالؓ بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عاشقین صادقین کے سرخیل ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی ایک مقصد کی خاطر وقف کردی تھی۔ اس مقصد کے حصول میں انہیں کوچہ رقیب میں سر کے بل جانا پڑا۔ لیکن انہیں اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ انہوں نے اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اپنے خون سے شمع روشن کی اور اس کی روشنی آج بھی متلاشیانِ حق کے راستوں کو منوّر کر رہی ہے۔

حضرت بلالؓ بن رباح حبشی النسل تھے۔ ان کی پیدائش مکہ میں ہوئی۔ ان کے باپ رباح بنی جمح کے غلام تھے۔ گویا حضرت بلالؓ کو غلامی ورثہ میں ملی تھی۔ ایک غلام کے ہاں جنم لیا۔ اور غلامی کے عالم میں ہی بچپن گزارا۔ جوان ہوئے۔ تو غلامی کا بھی طوق گلے میں پڑا ہوا تھا۔ مکہ کے گلی کوچوں میں یہ سیاہ فام حبشی نوجوان جسمانی غلامی کے باوجود ذہنی طور پر آزاد تھا۔ اسے یہ گوارا نہ تھا۔ کہ اس کی سوچ و فکر کے دھاروں پر کسی کوئی بیرونی پابندی اور مصنوعی قدغن لگائی جائے۔ وہ اس بات پر بھی کڑھتا رہتا تھا۔ کہ اُسے محض اس لئے غلام بنالیا گیا تھا کہ اس کا باپ غلام تھا۔ ایسے ہی خیالات کے ساتھ بلال جوانی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ ایسے ہی عالم میں بلالؓ کو مکہ میں ایک آواز سنائی دی۔ یہ آواز اہل مکہ کے لئے اجنبی اور نئی تھی لیکن بلال کا دل اس آواز سے مانوس تھا۔ اس نے بار ہا دل سے یہ چاہا۔ کہ کوئی مردِ حق اٹھے۔ اور خود ساختہ خداؤں کی خدائی کے خلاف نعرہ بلند کرے۔ اس کی راتوں کی نیند حرام ہو چکی تھی اور اس کے نہاں خانۂ دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لے رہی تھی۔ کہ کوئی انقلابی پیغام کی نوید سنانے والا آئے۔ اور جہاں

رنگ و بو میں دور رس تبدیلیاں پیدا کرنے کی راہ کھول دے۔ لیکن جب بلال نے لا الٰہ الّا اللّٰہ کی صدائے حق سُنی تو یوں محسوس ہوا۔ جیسے اس کی دلی مرادیں بر آنے والی ہیں اسلام کا منشور ہی یہ ہے۔ کہ انسان کا سر صرف ایک ہی در پر جھکنا چاہیئے۔ صرف ایک ہی بادشاہ ہے۔ جس کو قانون سازی اور حکومت کا حق حاصل ہے اور اسی بادشاہ حقیقی کے سامنے تمام انسانوں کو مساوی حیثیّت اور برادرانہ تعلقات کے ساتھ جھکنا چاہیئے۔ جواں سال بلال نے اس منشور کو سُنا۔ تو فوراً اسلام کی طرف لپکا۔ اور خدا اور اس کے رسول صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں شامل ہو گیا۔ بنو جمح کے لیے یہ بات انتہائی اشتعال انگیز تھی کہ ان کا جدّی پشتی غلام ان کی سیادت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دے۔ اور کھلم کھلا یہ کہہ دے کہ مَیں سوائے اللّٰہ کے کسی کا بندہ نہیں۔ اور میں سوائے محمّد رسول اللّٰہ کے کسی کو اپنا مقتدیٰ اور سردار نہیں مانتا۔ وہ اعلان جسے آزاد انسان بھی کرتے ہوئے گھبراتے ہیں ایک غلام کے ہونٹوں پر آیا۔ تو سردارانِ قریش غصّے سے کانپ اٹھے۔ اور اس طرح مکّہ میں ایک غلام اور سیاہ و سفید کے مالکوں کے درمیان ایک ایسی کشمکش کا آغاز ہوا۔ جس کی مثال شاید ہی کبھی دیکھی گئی ہو۔

حضرت بلالؓ کو قسم قسم کی ایذائیں دی جاتی تھیں۔ انہیں تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر بھی سزا دی جاتی۔ اور سنگلاخ وادیوں میں رسّوں سے پاؤں باندھ کر گھسیٹا بھی جاتا۔ انہیں زمین پر عین دوپہر کے وقت دھوپ میں لٹایا بھی جاتا۔ اور جسم پر بھاری بوجھ لاد دیا جاتا۔ اور اس وقت کفار اُن سے کہتے۔ ”اب بھی محمّد کے خدا سے باز آتے ہو کہ نہیں“۔ اور عاشقِ صادق اس آزمائش میں بھی ”اَحَد۔ اَحَد“ پکارتے رہتے۔ قریش مکّہ مومنین کے لیے نت نئے طریقوں سے امتحان و ابتلا کے شکنجے ایجاد کرتے۔ حضرت بلالؓ کا آقا امیّہ بن خلف اس معاملہ میں سب سے آگے تھا۔ اُس نے بارہا حضرت بلالؓ کو مردہ جانوروں کی کھال میں لپیٹ کر سی دیا۔ اور پھر دن بھر دھوپ

میں ڈال دیا۔ کھال گرمی کی شدت سے سوکھ کر بلال کو جکڑ لیتی۔ کبھی اُمیّہ بن خلف ان کو زاہ میں جکڑ کر ہاتھ پاؤں باندھ دیتا۔ اور دھوپ میں پھینک دیتا۔ اور کہتا "تمہارا خدا لات و عزیٰ ہے"۔ لیکن بلالؓ کی زبان حق ترجمان جواب دیتی "اَحَدٌ اَحَدٌ"۔

بلالؓ کے آقا ہر روز بلال کو تختۂ مشق ستم بناتے۔ اور یہ ستم عرصۂ دراز تک جاری رہے۔ تا آنکہ ایک دن صدیق اکبر رضی اللہ نے جو رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ (الفتح) کی زندہ تصویر تھے، گراں قدر رقم ادا کر کے حضرت بلالؓ کو آزاد کرا لیا۔ سیّد دو عالم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو ابوبکر سے فرمایا۔ "ابوبکر مجھے بھی اِس کار خیر میں شریک کر لیا ہوتا"۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اب تو میں بلال کے عوض رقم ادا کر کے انہیں رہا کرا ہی چکا ہوں"

بلالؓ اب آزاد تھے۔ اب اُن کی گردن میں صرف ایک اللہ کی غلامی اور محمدؐ کی پیروی کا قلادہ تھا۔ ان کے علاوہ اب دو کی کے سامنے جوابدہ نہ تھے۔ انہیں اب ایسے ساتھی مل گئے تھے جن میں سے کوئی ان کی سیاہ رنگت کو نشانۂ تضحیک نہ بناتا تھا۔ نہ ہی کوئی ان کے موٹے ہونٹوں اور اونچے دانتوں کا مذاق اڑاتا تھا۔ اِس معاشرے میں اب ہر شخص ان سے والہانہ محبّت اور خلوص سے پیش آتا تھا۔ وہ اب ایک معمولی غلام نہ تھے۔ بلکہ اسلامی برادری کے ممتاز رکن تھے۔

مکّہ کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا۔ تو بلالؓ بھی روانہ ہوئے۔ اور مدینہ پہنچ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو حضرت بلالؓ سے ابورویحہ انصاری کا بھائی چارہ کرا دیا۔ دونوں بھائیوں میں اس قدر محبّت تھی کہ بلال جب کہیں جاتے۔ تو اپنے تمام امور کی نگرانی ابورویحہ کے سپرد کر جاتے (اور عہد فاروقی میں تو غزوات میں شمولیت کے بعد انہوں نے اپنا وظیفہ بھی اپنے اسلامی بھائی کے نام منتقل کر دیا تھا) مدینہ میں پہنچ کر ہی نماز باجماعت کی ادائیگی کا حکم ہوا۔ پھر اذان کا فرمان ہوا۔ حضرت بلالؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ جن کو حضور اکرمؐ نے مؤذّن کے منصب پر مقرر

فرمایا۔ اور انسان کے کان اذانِ بلالی سے آگاہ ہوئے۔

آپ کی آواز میں ایسا جادو اور خوش الحانی تھی۔ کہ جو اذان سنتا۔ تڑپ جاتا۔ پھر حسنِ صوت کے ساتھ سوز وگدازِ درون نے سونے پر سہاگے کا کام کر دیا تھا سفر میں حضرت بلالؓ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے۔ اور جس سحر انگیز آواز سے مدینہ کے گلی کوچے اور قبا کے در و بام گونجا کرتے تھے۔ اس کی سمع نوازیاں وشت و صحرا کے درختوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو بھی محروم سعادت نہ رکھتی تھیں۔ آپ کی آواز میں ایسی تاثیر تھی۔ کہ تمام مسلمان شدت سے منتظر رہتے کہ کب نماز کا وقت ہو اور اذانِ بلالیؓ کانوں تک پہنچے۔

حضور اکرمؐ علیہ السلام کی رحلت کے بعد حضرت بلالؓ بہت کم اذان دیا کرتے تھے۔ حالانکہ صحابہؓ ان کی اذان کے بڑے شائق تھے۔ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ ۱۶ھ میں بیت المقدس کی فتح کے موقع پر ملک شام کی طرف گئے۔ بمقامِ جابیہ پر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے ان کا استقبال کیا۔ بلالؓ بھی موجود تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح سپہ سالار اعظم نے امیر المومنین سے استدعا کی۔ کہ وہ بلالؓ سے اذان کی فرمائش کریں۔ حضرت عمرؓ کی فرمائش پر جب حضرت بلالؓ نے اذان دی۔ تو کئی برسوں کے بعد ایک مانوس اور ناقابلِ فراموش آواز بلند ہوئی۔ دورِ نبوی اور مدینہ کے در و بام کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ تمام صحابہ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت عمرؓ فاروق حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل جیسے صحابی بھی سیلِ اشک کے سامنے بند نہ باندھ سکے اور زار و قطار رو

دوسرے موقع پر جب آپ نے اذان دی۔ وہ تھا جب آپ شام سے مدینہ منورہ آئے۔ امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو گلے لگا کر چوما۔ اور حضرات حسنینؓ نے درخواست کی۔ کہ بلال آج اذان دیجیے۔ حضرت بلالؓ نے اس خواہش کے احترام میں صبح صادق کے وقت مسجد نبوی کی چھت پر کھڑے ہو کر نغمۂ توحید بلند کیا۔ مدینہ کے رہنے والے تڑپ اٹھے۔ لاتعداد گھروں سے سسکیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ مسجد نبوی

ی طرف لپکے چلے جارہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ صرف دو مواقع
یں جب حضرت بلالؓ نے اذان دی۔

حضرت بلالؓ اپنے دور کے ایک جلیل القدر مجاہد اور مرد میدان بھی تھے۔ اذان
کے علاوہ انہیں تلوار اور نیزے کی زبان میں بھی گفت گو کرنے کا سلیقہ تھا۔جنگ بدر میں
ن کی شجاعت جوبن پر تھی۔امیّہ بن خلف جو مکہ کی وادیوں میں ان پر عرصہ حیات تنگ کر
یا کرتا تھا۔جب آپ کے سامنے آیا۔ تو آپ نے اِس دشمنِ اسلام کو للکارا۔اس نے فوراً
اپ پر حملہ کیا۔لیکن شمشیر بلالیؓ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

حضرت بلالؓ فتح مکہ تک تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب
رہے۔جب حضور اکرمؐ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہورہے تھے۔اس وقت وہ آنحضورؐ
کے ساتھ تھے۔حضور جب خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔تو بلالؓ، اُسامہؓ بن زیادؓ اور
عثمانؓ بن طلحہ آپؐ کے ساتھ تھے۔

حضورؐ کی رحلت کے بعد دورِ صدیقی میں حضرت بلالؓ نے جہاد میں شرکت کی اجازت
طلب کی۔ اور ابوبکرؓ صدیق سے کہا۔"خلیفۂ رسول! آپ نے مجھے کیا آزاد اس لئے کرایا تھا۔
کہ میں آپ کی مصاحبیّت میں رہوں۔ یا خدا کے لیے مجھے آزادی کا پروانہ دلایا"؟

خلیفۂ اوّل نے فرمایا۔"خدا کے لیے"

عرض کیا۔"پھر مجھے اجازت دیجیئے۔ کہ مَیں راہِ خدا میں جہاد کے لئے جاؤں"

خلیفۂ اوّلؓ نے یہ سُن کر بلالؓ سے کہا۔"بلالؓ اِس عالمِ پیری میں مجھے تمہارے
مشوروں اور راہنمائی کی ضرورت ہے، اس لئے میں خدا کا واسطہ دے کر تم سے
کہتا ہوں۔کہ مجھے داغِ جدائی نہ دو"

حضرت بلالؓ نے صدیق اکبرؓ کے احترام میں مدینۂ رسولؐ میں ہی رہنا قبول کر لیا
حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد حضرت عمر جب مسند آرائے خلافت ہوئے

تو حضرت بلالؓ نے پھر جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی۔ فاروقِ اعظمؓ نے بھی
انہیں روکنا چاہا۔ مگر ان کا اصرار دیکھ کر انہیں اجازت دے دی۔ وہ مدینے سے سیدھے شا
پہنچے۔ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی زیر قیادت رومی فوجوں سے برسرپیکار ہو گئے۔ بہت عرص
تک مصروف جہاد رہے۔ جس فوج نے بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے کا اعزاز حاصل
کیا۔ اس میں حضرت بلال بھی شامل تھے۔ جب رومی حکومت کا زور ٹوٹ گیا۔ اور شا
اور اس کے قریب کے تمام ایشیائی رومی مقبوضات اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے
تو حضرت بلالؓ نے شام میں سکونت اختیار کر لینے کا فیصلہ کیا۔ اور اس سلسلہ میں بھی
حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی۔

خلیفہ دوم نے حضرت بلالؓ کی خواہش پر انہیں شام میں مستقل سکونت اختیا
کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت بلالؓ کے اسلامی بھائی حضرت ابو رُویحہ انصاریؓ بھی
ان کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ حضرت ابو الدّرداء انصاریؓ پہلے ہی اس علاقہ میں رہ رہے
تھے۔ حضرت بلالؓ نے ان کے خاندان میں نکاح کرنا چاہا۔ اس لئے رشتہ طلب کیا۔ کہاں
ایک حبشی اور کہاں مدینہ کا ایک معزز ترین خاندان! لیکن اسلام نے خاندانی عصبیّت
کی جڑیں کاٹ دی تھیں۔ اس لیے حضرت ابو الدّرداء نے پیغام قبول کر لیا۔ اور حضرت
بلالؓ کی شادی اُن کے خاندان میں ہو گئی۔

حضرت بلالؓ کا مقام اسلامی معاشرے میں بہت بلند تھا۔ ایک دفعہ ایک
حبشی مسلمان نے کسی معزز عرب خاتون کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔ عورت کے خاند
والوں نے پوچھا۔ "تمہارا نام و نسب کیا ہے؟"

جواب دیا۔ "مَیں بلال کا بھائی ہوں۔"

حضرت بلالؓ سے پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ ہاں یہ میرا بھائی ہے۔ یہ سُن کر
اس خاندان نے کہا۔ ایسے شخص سے رشتہ کرنا ہمارے لئے باعثِ عزت ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت بلالؓ کو جو کبھی غلام اور غلام زادے تھے
سلامی معاشرے میں کس احترام اور عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ
جناب بلال کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ اور اپنے دورِ خلافت میں اُن سے مشورے لیا کرتے
ناب عمرؓ کے دل میں بھی ان کی بڑی تعظیم تھی۔ آپ کی مجلس میں جب بھی بلال آتے
پ انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے۔ حضرت عمرؓ ان کا ذکر فرماتے تو کہا کرتے:

"بِلَالٌ سَیِّدُنَا وَمَوْلٰی سَیِّدِنَا" بلالؓ ہمارے آقا ہیں اور ہمارے آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غلام"۔

بعض اوقات حضرت ابوبکر کا ذکر کرتے تو کہتے۔

"ابوبکر سَیِّدُنَا وَاَعْتَقَ سَیِّدَنَا" "ابوبکر ہمارے سردار تھے۔ اور انہوں نے ہمارے سردار (بلال) کو آزاد کرایا تھا"۔

حضرت بلالؓ حضور اکرمؐ کے مقرب صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ ہر مجلس میں وہ حضور
باتوں کو غور سے سنتے۔ اور پھر اُن پر عمل پیرا ہو جاتے۔ حضور اکرم جب کسی مجلس میں
ریک ہونے کے لئے جاتے۔ تو بلال نیزہ ہاتھ میں لئے آگے آگے چل رہے ہوتے۔
سفر میں رات کے وقت جب سارے لوگ آرام کرنے کے لئے سو جاتے
تو بلالؓ کے ذمہ صبح کی اذان اور لوگوں کو بیدار کرنے کی خدمت ہوتی۔ ایک بار رات کے
وقت سفر کر رہے تھے۔ صحابہ تھک گئے۔ تو عرض کیا "حضورؐ اسی جگہ پڑاؤ ڈال دینا چاہیئے"
آپ نے فرمایا "صبح کی نماز سے غافل ہو جاؤ گے"۔ بلالؓ نے کہا "یا رسول اللہ میں سب کو
جگا دوں گا"۔ یہ سُن کر حضورؐ نے قیام کا حکم دے دیا۔ سب لوگ آرام سے سو گئے۔ بلالؓ
رات بھر ٹہلتے رہے۔ پھر اونٹ کے کجاوے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئے۔ نیند کا غلبہ ہوا۔
اور آپ کی بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی۔ نماز فجر کے وقت کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ سورج
نکل آیا۔ اور حضور اکرمؐ سب سے پہلے بیدار ہوئے۔ اور بلالؓ کو پکار کر کہا۔ "بلالؓ تم

نے اپنی ذمہ داری کیوں ادا نہ کی؟" عرض کیا۔"یارسول اللہ ایسی غفلت طاری ہوئی
کہ مجھے کچھ ہوش نہ رہا" آپ نے ارشاد فرمایا۔ ابھی اذان دو۔ اور لوگوں کو نماز کے
لئے جمع کرو"۔

حضور اکرم کے معتمد خاص تھے۔ اس لئے آپ کی رحلت کے بعد صحاب
حضرت بلالؓ سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔ بلالؓ کو بھی حضور اکرمؐ کی یاد ہر وقت
ستاتی رہتی تھی۔ کبھی آپ کا دل محبوبؐ کی یاد سے غافل نہ ہوا تھا۔ شام میں سکونت
کے دوران ایک بار خواب میں حضور اکرمؐ سے ملاقات ہوئی۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرما
"بلال کیا دنیا سے ابھی جی نہیں بھرا؟ کیا ہماری زیارت کی خواہش نہیں؟" حضرت بلا
بیتابی کے عالم میں خواب سے اُٹھ بیٹھے۔ مدینہ کا رُخ کیا۔ اور روضۂ اقدس کی زیارت
آنکھوں کو ٹھنڈا کیا۔ حسنؓ و حسینؓ کو گلے لگایا۔ اور بار بار چوما۔ ۲۰ھ میں حضرت بلالؓ
بعمر ساٹھ سال انتقال فرمایا۔ اور حضور اکرمؐ سے جا ملے۔

آپ کی اسلامی برادری میں جو عزت و شان تھی۔ اسے دیکھ کر بعض اوقات
نفس مغرور ہوتا۔ تو لوگوں کے سامنے کہا کرتے۔ "میں ایک حبشی غلام تھا۔ بے صو
اور بے وسیلہ۔ مجھے اسلام کی نعمت مل گئی۔ اور میں معزز ہو گیا۔ میرا یہ مقام جو مجھے
حاصل ہے محض اسلام کی برکت اور محمد عربی کی مصاحبیت سے ہے۔ میں وہی ح
غلام رباح کا بیٹا بلال ہوں۔ جسے مکہ میں ایک حقیر ترین غلام سمجھا جاتا تھا"۔

حضرت بلالؓ نے کئی شادیاں کیں۔ لیکن اُن کی کوئی اولاد نہ ہو سکی۔ تاہم
دنیا میں ان کی روحانی اولاد اور اُن کے نام لیوا کروڑوں کی تعداد میں آج بھی مو
اُمت مسلمہ اس حبشی مرد پر فخر کرتی ہے اللہ تعالیٰ ہر فرد مسلم کو روح بلالی سے سرفراز کر

حضرت عثمان بن مظعون

حضرت عثمان بن مظعون قریشی النسل بزرگ تھے۔ آپ کے ایک جدِ اعلیٰ کا نام جمح بن عمرو تھا۔ اس کی نسبت سے آپ کو "الجمحی" بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو سائب تھی۔ حضرت سائب بھی جو آپ کے فرزند تھے، آگے چل کر شرفِ صحابیت پر فائز ہوئے۔ عثمان بن مظعون تجارتی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ بڑے خاصے مالدار تھے۔ مال و دولت کی ریل پیل اور معاشرے میں ہر قسم کی آزادی کے باوجود آپ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی مخرب اخلاق حرکات کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ قبول اسلام سے قبل بھی عالمِ طفلی اور دورِ شباب میں بھی کبھی بھی جوئے، شراب اور زنا کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔ دورِ جاہلیت میں عرب کے نوجوان شراب نوشی کو ایک بڑا فخریہ کام سمجھتے تھے لیکن عثمان بر ملا اس کی برائیاں بیان کرتے۔ وہ کہتے تھے کہ شراب سے بُری شے اور کیا ہو سکتی ہے کہ جس سے انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ اسے کوئی تمیز نہیں رہتی۔ اور وہ ذلیل لوگوں کا نشانۂ تضحیک بن جاتا ہے۔ اور بدہوشی میں اُسے مال، جان کی تمیز نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے۔ کہ انسان کے اندر نیکی اور بدی کے جذبات ودیعت کئے گئے ہیں۔ اور انسان کے ہر عمل سے پہلے اس کے ذہن میں ایک کشمکش ہوتی ہے کہ آیا اسے یہ کام کرنا چاہیئے یا اس سے رُک جانا چاہیئے۔ اس امر کو ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا یعنی نیکی اور بدی کا شعور انسان کی طبیعت میں پیدا کر دیا گیا ہے۔ یہی شعور بعض لوگوں میں اتنا پختہ اور بیدار ہوتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر نیکی اور بدی میں سے نیکی کو اختیار کر لیتے اور بدی کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ وہ بیدار مغز اور روشن ضمیر ارواح جو قلبی واردات سے عرفانِ حق تک پہنچ کر اپنے قول و عمل کو اس کے مطابق ڈھال لیتی ہیں، ہمیشہ دنیا میں اتنی کم رہی ہیں کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ یہ ارواح دراصل کائنات ارض و سماء کی زینت اور تخلیق ربّانی کا حسن ہیں۔ ایسے لوگوں کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ وحی ربّانی اور نبوّتِ الٰہیہ سے فیض یاب نہیں ہوتے لیکن اس کی منشا کو دل کی آواز سن کر پا جاتے ہیں۔ اور اس کے مطابق زندگی کو ڈھال لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قلب انسانی میں امتیاز حق و باطل کا ملکہ پیدا کر دینے کے باوجود انسانیت کی ہدایت و راہنمائی کے لئے سلسلۂ انبیاء کا اہتمام کیا۔ یہ انبیاء بلاواسطہ اللہ کا پیغام وحی کے ذریعے حاصل کرتے اور پھر اس پیغام کی روشنی سے پوری دنیا کو بقعۂ نور بنانے کی جد و جہد کرتے ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعون جیسے خوش بخت لوگ جن کا دل پہلے ہی عرفانِ الٰہی کا مرکز بنا ہوتا ہے جب وحی کی بات سنتے ہیں تو سونے پر سہاگے کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔

قبولِ اسلام

عنفوانِ شباب میں ہی تھے کہ انہیں مکّہ کی وادیوں میں ایک آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔ انہوں نے اُسے غور سے سنا اور محسوس کیا کہ یہ آواز بہت مانوس ہے۔ یہ آواز ایک ایسی ہستی کی زبان سے بلند ہو رہی تھی جس کا پورا ماضی تمام لوگوں کے سامنے تھا۔ اور جس کا دامن نیلے آسمان پر چمکنے والے مہر و ماہ سے زیادہ چمکدار اور اُجلا تھا۔ ایک تو پیغام دل میں اُترنے والا دوسرے پیغامبر دلوں کو جیتنے والا، حضرت عثمان نے بڑھ کر دامنِ رحمت تھام لیا۔ معاشرے کی حالت پر کُڑھنے والا دل اب سکون اور اطمینان محسوس کرنے لگا۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کے ساتھ بالکل ابتدا میں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے جب کہ مسلمانوں کی تعداد صرف دس گیارہ تھی۔ اِس طرح آپ سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے ہیں۔

ہجرت مکہّ میں اہلِ اسلام پر ابتلاء آزمائش کی جو کٹھن گھڑیاں آچکی تھیں۔ اُن میں سے حضرت عثمانؓ کو بھی اپنا حِصّہ ملا۔ لیکن انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے اُن کا مقابلہ کیا۔ بالآخر جب مصائب حد سے گزر گئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کچھ مسلمانوں نے وطن اور اعزّہ کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ان کی ایک مختصر سی جماعت مکہّ سے خاموشی کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی۔ وہ با دیدۂ تر اپنے دین کی حفاظت کی خاطر اپنے گھربار اپنے عزیز واقارب اور اپنا وطن چھوڑ رہے تھے۔ یہ منظر کتنا رقت انگیز ہوگا۔ عرش عظیم پر اللہ کے دربار میں فرشتے یہ دیکھ کر سوچ رہے ہوں گے۔ کہ واقعی۔ تسبیح وتقدیس کے لئے تو ہم کافی ہیں لیکن اس تسبیح وتقدیس سے زیادہ کٹھن کام اور زیادہ پُر صعوبت منازل طے کرنے کے لِئے انسان ہی موزوں ترین ہے۔ لہذا وہی خلافتِ ارضی کا مستحق ہے۔ اور نائبِ خدا بننے کا حقدار ہے۔ ان کے خوب صورت مکانات عزیز ترین رشتہ دار دل کی محبّت اور اپنے وطن کی خوش گوار یادیں ان کا دامن پکڑ کر کھینچ رہی تھیں لیکن ایک عظیم تر مقصد کی محبّت نے انہیں ایسا سرشار کر رکھا تھا کہ وہ اِن سب محبتّوں کو جھٹک کر مکہّ سے با دیدۂ تر نکل گئے۔

مسلمانوں کے اِس قافلہ نے حبشہ کا رُخ کیا۔ جہاں ایک نیک دل بادشاہ جو آگے چل کر اسی دین میں داخل ہونے والا تھا نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا۔

مکہّ میں واپسی اور دورِ ابتلا کچھ عرصہ حبشہ میں رہنے کے بعد مسلمانوں کو یہ خبر ملی۔ کہ قریش مکہّ نے اسلام قبول کر لیا

ہے۔ اور مکہ میں اسلام کا بول بالا ہو گیا ہے۔ مٹھی بھر مسلمان حبشہ میں یہ خبر سُن کر
خوش ہوئے اور وطن کی طرف رختِ سفر باندھ لیا۔ لیکن مکہ کے قریب پہنچ کر
چلا کہ خبر غلط تھی۔ اور قریش نہ صرف اب تک کفر پر قائم تھے۔ بلکہ مسلمانوں پر مظ
ڈھانے میں پہلے سے کہیں زیادہ تیز ہو چکے تھے۔ یہ سُن کر کچھ مسلمان واپس چلے گ
کچھ اپنے اعزہ کی امان لے کر مکہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے بن
کے سردار ولید بن مغیرہ کو پیغام بھیجا۔ کہ مَیں تمہاری پناہ میں مکہ آنا چاہتا ہوں
میں تمام برائیوں کے باوجود یہ صفت موجود تھی۔ کہ جو اُن کی امان طلب کرتا۔ اُسے
پناہ میں لے لیتے۔ اور پھر اپنے عہد کا پاس کرتے۔ خواہ اس کے لئے جان کی بازی
نہ لگانی پڑتی۔ ولید نے انہیں امان دے دی۔ اور وہ مکہ میں اطمینان سے داخل ہو
مکہ میں آکر انہوں نے دیکھا۔ کہ وہ تو ولید کی امان کی وجہ سے امن و سکون میں ہیں۔ لیکن
مسلمانوں پر انسانی تاریخ کے بدترین اور ناقابلِ تصوّر مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ اُ
غیرتِ ایمانی نے جوش مارا۔ اور اُن کے دل نے فیصلہ کیا۔ کہ راہِ حق میں چلنے کے لئے
باطل پرست کی حفاظت میں رہنا مردانگی اور خلوص کے خلاف ہے۔ ایک دن انہی
میں غرق تھے کہ دل سے ایک طوفان اٹھا۔ اور زبان نے کہنا شروع کر دیا۔ "افسو
عثمان کے تمام احباب اور اہلِ خاندان اسلام کی خاطر مصائب اٹھا رہے ہیں
وہ اطمینان سے بیٹھا دیکھ رہا ہے۔ بھلا یہ ایمان کی کون سی قسم ہے۔ خدا کی قسم
نفس کی کمزوری ہے۔ اور بندۂ مومن کا [illegible] سے کیا واسطہ....." چنانچہ آپ ولید
پاس گئے۔ اور کہا۔ "ابو شمس! مَیں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے میری [illegible]
لیکن اب مَیں تمہاری حفاظت سے نکل کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمایت میں
پسند کرتا ہوں۔ میرے لئے اسوۂ رسول اور اسوۂ صحابہ کافی ہے۔"
ولید نے یہ سن کر پوچھا۔ "ابو سائب! کیا آپکو کسی نے کوئی تکلیف دی ہے"

انہوں نے جواب دیا "نہیں! تمہاری حفاظت میں کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ میری طرف بُری نظر سے بھی کوئی دیکھتا۔ لیکن مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمایت کے سوا کسی کی حمایت درکار نہیں۔ تم میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو۔ اور میری حمایت سے دست برداری کا اعلان کرو۔"

ولید نے خانہ کعبہ میں جاکر مجمع میں اعلان کر دیا۔ کہ عثمانؓ بن مظعون کی خواہش پر اصرار پر میں نے ان کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی فرمایا اہل صاحبو! ولید کی شرافت اور پاسِ عہد کی مثال مشکل سے ملے گی۔ لیکن میں نے آج سے اپنے آپ کو اللہ کی حفاظت میں دے دیا ہے۔"

عام حالات میں ایک شخص کسی کی امان میں آکر اطمینان کا سانس لیتا ہے لیکن یہاں ہمارے محبوب قائد ایک مضبوط حلیف کی امان سے نکل کر اطمینان و سکون محسوس کر رہے تھے۔ انہیں علم تھا۔ کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کو نہ نقصان پہنچانے کا مجاز ہے۔ اور نہ ہی کسی کا بھلا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ (قرآن)
اس کے ساتھ ہی انہیں اچھی طرح سے علم تھا۔ کہ جس نظامِ زندگی کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ اس کی راہ میں آزمائش کا آنا لازمی ہے۔ اور یہ آزمائش دراصل کھوٹے اور کھرے کی پہچان کرنے کا ایک ربّانی معیار ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (عنکبوت)

یہی تصوّر تھا جس کی وجہ سے انہوں نے انسانی حمایت و پناہ کے تمام بندھن کاٹ کر پھینک دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو کھرا ثابت کر دیا۔

اب ابتلاؤ آزمائش کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ قریش مکہ نے ایک محفل شعر و سخن جمائی۔ اس محفل میں عرب کے مشہور شاعر لبید نے اپنا ایک قصیدہ سنایا

لبید عربی کے مشہور ترین سات شعرا میں سے ایک ہے۔ ان شعرا کو اصحابِ س
معلّقات کہا جاتا ہے۔ لبید نے بعد میں اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ لبید نے اپ
قصیدے کا ایک مصرعہ پڑھا۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَی اللّٰہَ بَاطِلٌ (خبردار ہر
چیز ماسوائے اللہ کی ذات کے باطل ہے)

اس مصرع پر حضرت عثمانؓ نے کہا۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ صَدَقْتَ یَا لَبِیْدُ
(اللہ پاک ہے۔ اے لبید تم نے بالکل سچی بات کہی ہے)

لبید نے دوسرا مصرع پڑھا جو یہ تھا: وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلٌ
(اور بلاشبہ ہر نعمت زائل ہو جانے والی ہے)

یہ مصرع سن کر جناب عثمانؓ نے کہا۔ کَذَبْتَ اِنَّ نَعِیْمَ الْجَنَّۃِ لَا زَوَال
(تو نے جھوٹ کہا۔ جنّت کی نعمتوں کے لئے زوال نہیں ہے) حضرت عثمانؓ
سچ کہا تھا۔ خود قرآن کہتا ہے۔ کہ اہلِ جنّت کے لئے غیر منقطع اور لازوال انعام
ہوں گے۔ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ہ (التین)

لبید بڑا بدلے والا شاعر تھا۔ اُس نے گرج کر کہا۔ "بنو قریش! تمہاری مح
میں اس سے پہلے تو میری کبھی بے عزّتی نہ ہوئی تھی"۔

قریش کے نوجوانوں کا ایک ہجوم عثمان بن مظعون کی طرف بڑھا۔ اور ا
مارنا شروع کر دیا۔ ایک سنگدل نے آنکھ پہ زور سے گھونسا مارا کہ آنکھ زرد
اس موقع پر کسی لوگوں نے کہا۔ کہ اگر عثمان ولید کی حمایت میں ہوتا تو کسی کو ا
ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ ولید نے بھی کہا۔ "اب بھی اگر چاہو تو میری ح
میں آجاؤ"۔ لیکن اس کے جواب میں بندۂ مومن کا جواب یہ تھا۔ "خدا کی قسم!
کی کوئی پرواہ نہیں۔ میں دوسری آنکھ پہ بھی ضرب سہہ سکتا ہوں۔ لیکن اللہ
کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی حمایت میں نہیں آسکتا"۔

اسلام فی الحقیقت ایک نہایت حکیمانہ دین ہے۔ اس دین میں انسانوں کے لئے پوری حکمت کے ساتھ یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ وہ مجبوری کے وقت رخصتوں سے فائدہ اٹھائیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک مقام عزیمت بھی انسانوں کے سامنے واضح کیا گیا ہے۔ عزیمت بہت مشکل ہے لیکن رخصت سے بہرحال بلند اور رفیع مقام کی حامل ہے۔ حضرت عثمانؓ تک کے حالات کے مطابق ولید کی امان میں رہتے تو یقیناً ان پر کوئی الزام نہیں تھا کیونکہ اس صورت میں ولید ان سے ترکِ اسلام کا مطالبہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن بایں ہمہ ایک پُرعزم مومن کے لئے کسی غیر مسلم کی پناہ میں پلنا کوئی باعثِ اطمینان بات نہیں ہو سکتی۔ پھر دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ جماعت اسلامی کے تمام افراد بشمول قائدِ تحریکؐ سخت آزمائشی دور سے گزر رہے تھے۔ اس لئے بھی کوئی مسلمان اپنے آپ کو اُن سے الگ کرتے امن و سکون محسوس نہ کر سکتا تھا مسلمانوں کی حالت تو حضور اکرمؐ نے اپنی حدیث میں یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ وہ ایک جسم کی مانند ہیں۔ مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ کَمَثَلِ الْجَسَدِ تو ایک جسم کا ایک عضو اگر تکلیف میں مبتلا ہو تو پورا جسم ہی اس درد کی ٹیسوں میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق جناب بن مظعونؓ نے رخصت کی راہ چھوڑ دی۔ اور عزیمت و استقلال کے راستے پر گامزن ہو گئے۔ مکہ میں یہ حالت اس وقت تک رہی۔ جب تک حضرت عثمانؓ دیگر صحابہ کے ساتھ مدینہ ہجرت نہیں کر گئے۔

ہجرتِ مدینہ

حضرت عثمانؓ "صَاحِبِ الْہِجْرَتَیْنِ" (دو دفعہ ہجرت کرنے والے) صحابی ہیں۔ پہلے آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے۔ اور پھر آپ نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔ یہ دوسری ہجرت بھی بڑی مثالی ہجرت تھی کیونکہ خاندان مظعون کے تمام ارکان نے مکہ کو خیرباد کہہ دیا۔ یہ مشتاقانِ حق مکہ سے اس شان سے نکلے کہ بنو مظعون کے تمام گھروں کو تالے لگ گئے۔ بچے بوڑھے مرد عورتیں سب ہی نکل

کھڑے ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے دونوں بھائی خدامہؓ ابن مظعون اور عبداللہ ابن مظعون
بھی اس ہجرت میں ان کے ہمراہ تھے۔ آپ کے بیوی بچے بھی ساتھ ہی تھے۔ مدینہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاندانِ باصفا کو ایک وسیع قطعہ اراضی مکانات
تعمیر کے لئے مرحمت فرمایا۔ ان کا بھائی چارہ حضرت ابوالہیثم بن التیہانؓ سے ہوا۔
ان سے بڑی والہانہ محبت رکھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کا زہد و تقویٰ

جماعت صحابہ میں حضرت عثمانؓ اسی طرح نظر آتے ہیں۔ جس طرح گروہ انبیاءؑ میں حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہما السّلام۔ آپ بہت زیادہ عبادت گزار اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے تھے۔ اِس معاملہ میں بسا اوقات اُن کا رویّہ تشدّد کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضور اکرمؐ کے پاس آئے۔ اور کہا۔ کہ مَیں اپنی شہوانی قوتوں اور رجحانات کو ختم کر کے اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا چاہتا ہوں۔ اور دنیا سے منہ موڑ کر صحرا اختیار کر لینا پسند کرتا ہوں۔ آنحضور علیہ السلام جو دنیا میں مکمل نظامِ زندگی لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ بھلا اس کی اجازت کیسے دے دیتے۔ آپؐ نے فرمایا گویا مَیں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہوں۔ تم دیکھو۔ کہ روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ گوشت بھی کھاتا ہوں۔ اور اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔ میری امت میں خصّی ہونا نہیں ہے۔ جو شخص خصّی بنیگا۔ وہ میری اُمت سے بند

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس میں نہ افراط ہے۔ نہ تفریط۔ یہ نہ تو انسان کو شترِ بے مہار بنا کر کھلی چھٹی دے دیتا ہے۔ کہ وہ جو جی میں آئے۔ کرتا پھرے اور نہ ہی اسے رہبانیت کی اجازت دیتا ہے۔ کہ وہ اللہ کی حلال کی ہوئی طیّب و پاکیزہ چیزوں سے کنارہ کش ہو کر الگ تھلگ کسی غار یا کھوہ میں بیٹھا تزکیۂ نفس کرتا پھرے۔ اسلام تو زندگی کے ہنگاموں کے اندر رہ کر "تزکیۂ نفس" کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ا

سچی بات یہ ہے۔ کہ اسلام کا نام لینا بذاتِ خود ایسا مجاہدہ ہے۔ کہ خود بخود تمام منازل اور تمام راہیں انسان کو نظر آجاتی ہیں۔ باطل کے تھپیڑے اور پھر اُن کے مقابلے پر ثابت قدمی یہی دراصل صفائے باطنی کی علامت اور تزکیہ نفس کا طریقہ ہے۔

حضرت عثمانؓ نے عبادت کے لئے گھر میں ایک الگ کمرہ مخصوص کر رکھا تھا۔ اور وقت کا بہت بڑا حصّہ اِسی کمرے میں گزرتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اس کمرے کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ عثمان خدا نے مجھے رہبانیت کے لئے نہیں مبعوث فرمایا۔

حضرت عثمانؓ کا یہ ذوق وشوقِ عبادت دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے بچّوں سے بھی کوئی دلچسپی نہ رہی۔ ایک دن ان کی زوجہ محترمہ حضور اکرمؐ کے گھر آئیں۔ ان کی حالت بہت دردناک تھی۔ اُمہات المومنین نے اُن سے پوچھا۔ کہ ایسی ہیئت کذائی انہوں نے کیوں بنا رکھی ہے۔ تو وہ بولیں "میرے خاوند قریش کے ایک مالدار آدمی ہیں۔ لیکن مجھے اس مال سے کیا سروکار! وہ تو کبھی میری طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ رات رات بھر مصلّے پر کھڑے عبادت کرتے رہتے ہیں۔ اور دن کو روزہ رکھتے ہیں" حضور اکرم علیہ السّلام کو جب یہ پتہ چلا۔ تو حضرت عثمان کو اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا "عثمان یہ بتاؤ۔ کہ کیا میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہوں"؟ انہوں نے جواب دیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ ہمارے لئے بہترین اُسوہ ہیں"۔ پھر بصد ادب واحترام پوچھا "یا رسول اللہ! کیا مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے"؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا "تم رات بھر نماز میں مشغول رہتے ہو۔ اور دن بھر روزہ رکھتے ہو"؟

انہوں نے عرض کیا "ہاں! یا رسول اللہ فداک ابی واُمّی"۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِاَھْلِکَ عَلَیْکَ حَقًّا فَاَعْطِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ (تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے۔ اور تیرے اہل وعیال کا بھی تجھ پر حق ہے۔ پس ہر حق دار کو اُسکا پورا پورا حق دو۔

اس ارشاد نبوی کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے اپنا رویہ بدل لیا اب وہ عبادات کے لئے بھی وقت نکالتے۔ اور زندگی کی دیگر ذمہ داریاں نبھاتے۔ اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی بھی پوری کوشش کرتے۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت خولہ بنتِ حکیمؓ اُمہات المومنین کے پاس حاضر ہوئیں۔ تو نہایت قیمتی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ اور جسم سے خوشبو آرہی تھی۔ اُمہات المومنین انہیں اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ حضرت خولہ نے کہا۔ اب عثمان روزے بھی رکھتے ہیں۔ اور افطار بھی کرتے ہیں۔ راتوں کو نوافل بھی ادا کرتے ہیں۔ اور آرام بھی کرتے ہیں۔

حیا خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ان کے اخلاق و عادات میں شرم وحیا نہایت اعلیٰ وارفع خصلت کی حیثیت سے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ جناب ذوالنورینؓ کو کامل الحیاء والایمان کہا جاتا ہے۔ یہ بڑا خوشگوار اتفاق ہے۔ کہ خلیفہ ثالث کے ہم نام یہ صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی شرم وحیا کے پتلے تھے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "عثمانؓ بن مظعون نہایت باحیا اور پردہ پوش ہے"۔ آپ زمانہ جاہلیت ہی سے عریانی و بے حیائی کے مظاہروں سے ازحد متنفر تھے۔ ایک روایت ہے۔ کہ آپ حضور اکرمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ "یارسول اللہ! میں نے کبھی اپنی بیوی کو بھی اپنا ستر نہیں دکھایا۔ کیونکہ مجھے حیا دامن گیر ہوتی ہے"۔ آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے لئے اور تمہیں ان کے لئے لباس بنایا ہے۔ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ط

وفات حضرت عثمانؓ میدانِ بدر میں شریک ہوئے اور خوب دادِ شجاعت دی۔

اِس جنگ کے بعد مدینہ میں آپ بیمار ہوئے۔ اور وفات پا گئے۔ حضرت عثمان رضؓ بن مظعون کے تعلّق باللہ کے کچھ واقعات پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کی افتادِ طبع ہی اِس قسم کی بن چکی تھی۔ کہ ہر وقت اللہ ربّ العزّت سے ملاقات کا جذبہ دامن گیر رہتا۔ میدانِ بدر میں وہ شامل ہوئے۔ تو شوقِ شہادت سینے میں موجزن تھا۔ لیکن انہیں یہ رتبہ نہ مل سکا۔ اور وہ بخیر و خوبی مدینے میں واپس آئے۔ واپس مدینہ تشریف لائے تو بیمار پڑ گئے۔ اِس بیماری میں تمام صحابہؓ اور حضور اکرمؐ ان کی تیمارداری کرتے رہتے۔ لیکن خدا کی طرف سے وقت مقرّرہ آچکا تھا۔ وفات کے وقت حضرت عثمانؓ اُمّ العلاؓ انصاریہ کے گھر میں تھے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ حضورؐ وفات کی خبر سُن کر تشریف لائے اور حضرت عثمان کا جنازہ تیار کیا۔ اِس موقع پر مَیں نے کہا "خدا نے ابو سائب کو معزّز کیا"۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا "تمہیں کیسے علم ہوا"؟

مَیں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اگر عثمان معزّز نہیں ہوگا۔ تو پھر کون اِس رتبہ کا مستحق ہو سکتا ہے"؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: "عثمان کو مَیں نے کامل الایمان مخلص ساتھی پایا۔ اس کے متعلّق مجھے بہتری کی امید ہے۔ لیکن خدا کی قسم! میں رسولِ خدا ہو کر بھی نہیں کہہ سکتا۔ کہ اللہ کی رحمت سے بے نیاز ہو کر انجامِ خیر کو پہنچ جاؤں گا"۔

یہ عبارت امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز میں نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضور اکرم علیہ السّلام اپنی امت کے سامنے اِس مسئلے کو واضح الفاظ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ کہ انسان کے محض اپنے اعمال اس کی نجات کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور تمنّا اور مغفرت کا بھروسہ اور طلب بھی ضروری ہے، اِس ارشادِ رسولؐ کے اندر یہی روح کار فرما ہے۔ ورنہ خدا نا خواستہ ایسی بات نہیں ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ کے انجام کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ کیا جا سکے۔ کیونکہ حضور اکرم

علیہ السّلام نے ان کی وفات کے بعد غم کا جو اظہار کیا۔ وہ بھی اس کے لئے کافی دلیل ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون اللہ اور اس کے رسول کو کس قدر عزیز تھے۔ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عثمان بن مظعون کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی وفات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ ان کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ خاتم النّبین جس کی مبارک جبیں پر اپنے بابرکت ہونٹ رکھ دیں۔ اس کی خوبیٔ قسمت کا کیا کہنا۔ اُس وقت آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور جب آپؐ نے ان کی پیشانی کو چوما تو مرحوم کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ پہلے مہاجر صحابی ہیں۔ جو مدینہ میں آکر فوت ہوئے۔ آپ کی وفات ۲ھ کے آخر میں ہوئی۔

مدینہ میں اس وقت تک مسلمانوں کا باقاعدہ گورستان کوئی نہ تھا حضور اکرمؐ نے کھلی جگہ کو جس کا نام بقیع تھا۔ اس مقصد کے لئے منتخب فرمایا۔ آج دنیائے اسلام کے تمام مسلمان اِس جگہ کو جنّت البقیع کہتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اِس قبرستان میں محوِ استراحت ہیں۔ تمام مسلمانوں کے نزدیک خوش قسمت اور قابلِ رشک ہیں۔ کہ ایسا بابرکت خطّہ ان کے جسدِ خاکی کو نصیب ہو گیا۔ یہ خطّہ سب سے پہلے جس جسمِ خاکی کا امین بنا۔ وہ یہی حضرت عثمان بن مظعون ہیں۔ حضور اکرمؐ نے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور پھر بلند آواز سے تین مرتبہ کہا۔ ابو سائبؓ میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ تم دنیا سے اِس طرح نکل گئے۔ کہ تمہارا دامن ذرا بھی اس سے ملوّث نہ ہُوا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ قبر کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو دفن کیا۔

تدفین کے بعد آپ نے فرمایا۔ اِس قبر پر کوئی نشانی کھڑی کر دو یہی مسلمانوں کا قبرستان ہو گا۔

اِس طرح یہ درخشندہ ستارہ جس نے آفتاب رسالت سے روشنی حاصل کی تھی۔ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔

حضرت زید بن خطابؓ

قریش کا قبیلہ بنو عدی بڑا مردم خیز قبیلہ تھا۔ اسی قبیلے سے زمانہ جاہلیت میں بنو قریش کے سفیر اور قومی خطیب پیدا ہوتے رہتے۔ اور یہی قبیلہ اسلام میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے گیا۔ اسی قبیلہ میں تاریخ اسلام کے ان درخشندہ ستاروں نے جنم لیا۔ جن کی چمک دمک آج بھی صفحات تاریخ میں موجود ہے۔ اور جو آج بھی ملت مسلمہ کے لئے بہترین راہنمائی کا کام سرانجام دے سکتی ہے۔ آج ہم اسی قبیلہ کی قابل صد احترام شخصیت کی ولولہ انگیز زندگی کا باب پھر تازہ کرتے ہیں۔ یہ حضرت زید بن خطاب ہیں۔

نام و نسب آپ کا نام زید کنیت ابو عبدالرحمان تھی۔ باپ کا نام خطاب بن نفیل ابن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ تھا۔ آپ حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی تھے۔ دونوں کی مائیں الگ الگ تھیں۔ زید بن عمرو بن نفیل ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ انہوں نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن وہ ان خوش قسمت اور سعادت مند انسانوں میں سے تھے جنہوں نے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے جزیرہ نما عرب میں محض اپنے فطری ذوق اور باطنی طہارت کی بنا پر توحید کی راہ اختیار کر لی۔ دین ابراہیمؑ کے پیرو اور متبع رہے۔ زندگی بھر اسی کی پیروی کی اور اسی انتظار اور [illegible] میں [illegible] آخر [illegible] آثار [illegible] سر [illegible] اسی انتظار میں دنیائے فانی سے کوچ کر گئے اور [illegible]

سامنے اس حال میں حاضری دی کہ ان کا دامن شرک کی آلائشوں اور کفر کی نجاستوں سے پاک و صاف تھا۔ اسی مردِ حق آگاہ کے فرزندِ دل بند حضرت سعید رضؓ بن زید عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ اسی خاندان نے ملتِ اسلامیہ کو فاروقِ اعظم رضؓ جیسا جلیل القدر صحابی دیا جسکی روایاتِ عادل اور تدبّرِ حکومت آج بھی اپنوں اور بیگانوں کا دامنِ دل کھینچ لیتی ہے۔ وہ جس کے قولِ صدق بیان کی تائید وحیٔ ربّانی سے ہوتی رہی یہی خاندان ہے جس میں زید بن خطاب نے آنکھ کھولی۔

قبولِ اسلام | حضرت زید کا گھرانہ مخالفتِ اسلام میں بنو مخزوم اور بنو امیّہ سے کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ حضرت زید کے چھوٹے بھائی عمر بن خطاب ابوجہل کے بھانجے تھے۔ اور پورے عرب میں ان کا دبدبہ مشہور تھا۔ ان کا مقصدِ زندگی ہی یہ بن چکا تھا کہ اسلام قبول کرنے والوں کو اذیتیں دے دے کر اسلام سے برگشتہ کیا جائے۔ ان کے گھر میں تو اسلام کے داخلے کی بات بہت ہی بعید تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس دل میں چاہتا ہے ہدایت کا بیج ڈال دیتا ہے۔ اسی گھرانے میں عمر بن خطاب کی تمام تر سختیوں کے باوجود شمعِ اسلام روشن ہوئی۔ اور اس نے تاریکیوں کا سینہ چیر کر نور پھیلا دیا۔ حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنتِ خطّاب کے قبولِ اسلام اور حضرت عمر کے غیظ و غضب کا حال تو تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔ یہ فاطمہ بنتِ خطابؓ ہی تھیں جن کی استقامت اور جذبۂ ایمانی نے عمر جیسے انسان کو محمد مصطفےٰ کے قدموں میں لا گرایا۔ یہ واقعہ تفصیلاً حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کی ذیل میں مؤرخین نے قلمبند کیا ہے لیکن حضرت زید کے حالات تشنہ رہ گئے ہیں۔ حضرت زید بھی اسلام کی راہ میں اپنے بھائی کے ہاتھوں آزمائشی دور سے گزرے۔

آپ نے اسلام کے بالکل ابتدائی دنوں میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمر کو پتہ چلا۔ تو ان کو خوب ڈانٹ ڈپٹ پلائی۔ اور جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو پھر

تشدّد کیا۔ اس کے جواب میں وہ اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب والے الفاظ ہی دہراتے رہے اور وہ یہ تھے۔ عمرؓ! تم ہماری جان نکال سکتے ہو۔ ہماری ہڈیوں سے ہمارا گوشت نوچ سکتے ہو لیکن ہم سے دامنِ مصطفٰےؐ نہیں چھڑا سکتے......"

سچی بات تو یہ ہے کہ محمد مصطفٰےؐ کا دامن پکڑنا کوئی کھیل تماشہ اور مشغلہ نہیں ہے۔ اس دامن کو پکڑنا دنیا بھر کی آزمائشوں کو دعوت دینا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو سوچ سمجھ کر اس دامن کو مضبوطی سے تھام لے۔ اُسے موت کا بھی قطعاً کوئی ڈر نہیں رہتا۔ اس دامن کی دلکشی وابستگانِ دامن کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے۔ اے کاش کہ آج محمد مصطفٰےؐ کے کروڑوں نام لیوا زید بن خطاب کی سیرت اپنے اندر پیدا کر سکیں۔

ہجرت آپ نے مکہ کی سختیوں اور اپنے گھرانے کے ظلم و تشدّد کی وجہ سے اسلام کے پہلے قافلہ کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ ہجرت حبشہ کی ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ کی جانب ہوئی۔ آپ کی ہجرت کے جلد ہی بعد یا غالباً ہجرت سے کچھ عرصہ قبل آپ کے بھائی حضرت عمرؓ مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے لیکن مکہ کی سیاسی قوت اسلام کے مقابلے پر متحد تھی۔ اور اس دور کا مکہ اہل حق کے لئے ایک عذاب گھر بن چکا تھا حضور اکرمؐ نے ہجرت کے بعد جب مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ تو حضرت زیدؓ کو جلیل القدر انصاری صحابی حضرت معنؓ بن عدی عجلانی کا بھائی بنایا۔ وہ بھی کیا سماں تھا۔ کہ ایک انصاری مسلمان ایک مکی مسلمان کو یوں گلے لگا رہا تھا۔ جیسے دو حقیقی بھائی عرصۂ دراز کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہوں یہ اسلام اپنے ماننے والوں کے درمیان جو تعلق دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ اسی کی ایک جھلک تھی۔

میدانِ جہاد میں ہجرت کے دوسرے سال قریش مکہ نے مدینے پر چڑھائی

کی حضور اکرمؐ اپنے تین سو تیرہ جان نثار ساتھیوں کے ہمراہ میدان بدر میں قریش مکہ کے ایک ہزار کے لشکر سے ٹکرا گئے۔ نشۂ قوت سے چور ابوجہل میدانِ جنگ میں اپنے ۱۷ ساتھیوں سمیت مارا گیا۔ اور اللہ نے اپنی نصرت سے مومنین کو فتح مبین عطا فرمائی۔ حق و باطل کی اس پہلی جنگ میں حضرت زید نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ اور بہت سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا ایک سال بعد جنگ احد میں پھر یہ باطل شکن مجاہد قریش مکہ کے مدِ مقابل تھا۔ اس جنگ میں آپ نے شجاعت کا بے مثال نمونہ پیش کیا۔ ان کے جسم پر زرہ نہیں تھی۔ ان کے بھائی حضرت عمرؓ نے جب ان کو اس حال میں دیکھا۔ تو فرطِ محبت سے گلے لگالیا۔ اور اپنی زرہ اتار کر اپنے بھائی کو دینی چاہی۔ لیکن طلبِ شہادت سے سرشار مجاہد نے زرہ پہننے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جب اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے "کہ جس طرح آپ کو مجھ سے والہانہ محبت ہے۔ اسی طرح میں بھی دل و جان سے آپ سے محبت کرتا ہوں۔ پھر شوقِ شہادت سے بے تاب ہوں۔ اِس لئے زرہ سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں"۔

اس جنگ میں انہوں نے دشمنوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ اور میدان اُحد میں اُن کی شمشیرِ بے نیام دشمنوں کے گلے کاٹتی رہی۔ فتح کے بعد شکست کی حالت میں بھی ان کے پائے استقامت میں ذرا بھر لغزش نہ آئی۔ جنگ خندق اور جنگ حنین میں بھی آپ حضور اکرمؐ کے شانہ بشانہ دشمن سے نبرد آزما رہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اکرمؐ نے اپنے فداکاروں سے موت کی بیعت لینے کا اعلان کیا تو شمع حق کا یہ پروانہ دوڑ کر آیا۔ اور بیعت کی۔ فتح مکہ کے موقع پر بھی وہ اسلامی فوج میں شریک تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرمؐ کے بالکل قریب رہے۔ اور جب آنحضورؐ نے صحابہؓ سے خطاب کیا۔ تو آپ نے پوری توجہ سے سُنا۔ اور اس موقع پر حضور اکرمؐ کی وہ حدیث یاد کی اور اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔ جس میں آنحضو

نے فرمایا تھا۔ کہ جو تم کھاتے پہنتے ہو۔ وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور اگر وہ کسی جرم کے مرتکب ہوں تم معاف نہ کر سکو تو (سختی کرنے کے بجائے) فروخت کر ڈالو۔

شہادت آنحضورؐ کی وفات کے بعد جب فتنۂ ارتداد پھیلا۔ تو خلیفۂ اوّل نے شورش پسندوں کا قلع قمع کرنے کے لیے فوجیں روانہ کیں۔ جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر جو فوج بھیجی گئی۔ اس کے علمبردار حضرت زیدؓ ابن خطاب تھے۔ اس جنگ میں ایک بار ایسا شدید حملہ ہوا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے۔ لیکن ایسی حالت میں اسلامی فوجوں کا یہ علمبردار پورے جوش و جذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹا رہا۔ انہوں نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ بولوں گا جب تک دشمنوں کا منہ نہ پھیر دوں۔ یا خود لڑتے لڑتے شہید نہ ہو جاؤں۔ اسی حالت میں وہ علم لیے آگے بڑھے۔ اور دشمنوں کی صفیں چیرتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ کئی دشمنوں کو ختم کیا اور خود بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت سالمؓ نے عَلَم سنبھال لیا۔ آخر کار اس جنگ میں اسلامی فوجوں کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ بہت غمزدہ ہوئے۔ انہیں اپنے بھائی سے بڑی محبت تھی۔ اور استقامت کا ایک پہاڑ ہونے کے باوجود یہ جلیل القدر انسان اپنے آنسوؤں کا سیلاب نہ روک سکا۔ اُن کے جذبات کا یہ عالم تھا۔ کہ زندگی بھر جب کوئی مصیبت پیش آئی۔ تو فرمایا۔ کہ سب سے بڑا داغ زید کا تھا۔ اُس کو میں نے اٹھایا اور صبر کیا۔ اب اس مصیبت پر بھی میں اللہ سے صبر کی توفیق مانگتا ہوں حضرت عمرؓ کی زبان پر اکثر یہ جملہ بھی آیا کرتا تھا کہ بادِ صبا سے زیدؓ کی خوشبو آتی ہے اور اس کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک شخص مالک بن نویرہ ایک معرکہ میں خالد بن ولید کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مالک کے بھائی متمم بن نویرہ جو مشہور صحابی اور عربی زبان کے

مایۂ ناز شاعر تھے۔ اپنے بھائی کے قتل پر بہت متاثر ہوئے۔ انہیں بھی اپنے بھائی سے بہت محبّت تھی۔ اور بھائی کی جدائی میں ان کی حالت اتنی رقت انگیز ہوگئی تھی۔ کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی کا ایسا دردانگیز مرثیہ لکھا۔ کہ سُننے والے بے قرار ہو گئے۔ انہی دنوں حضرت عمرؓ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ دونوں کے بھائی چند دن پہلے ان سے جدا ہوئے تھے۔ دونوں کے زخم تازہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے متممؓ سے پوچھا۔ "تمہیں اپنے بھائی کا کس قدر غم ہے؟" انہوں نے جواب دیا۔ "ایک مرض کی وجہ سے میری ایک آنکھ کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ لیکن بھائی کے غم میں جب سے اشک بار ہوئی ہے۔ آج تک آنسو نہیں رُکے"۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "یہ رنج والم کی آخری حد ہے۔ کوئی جانے والے کا اتنا غم نہیں کرتا"۔ اس کے بعد فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ زید کی مغفرت کرے اگر مَیں شاعر ہوتا۔ تو مَیں بھی اپنے بھائی کا ایسا ہی مرثیہ کہتا"۔

متممؓ نے کہا۔ "اگر آپ کے بھائی کی طرح میرا بھائی بھی شہید ہُوا ہوتا۔ تو مَیں کبھی بھی اشک باری نہ کرتا"۔

اصل میں متمم کا مطلب یہ تھا۔ کہ چونکہ زیدؓ بن خطاب نے جامِ شہادت نوش کیا تھا اور مالک بن نویرہ اسلامی فوجوں کے مقابلے پر مارا گیا تھا۔ لہذا دونوں کی موت میں بڑا فرق تھا۔ حضرت عمرؓ کو متممؓ کی باتوں سے بڑی تسلّی ہوئی۔ اور فرمایا۔ کہ اس سے بہتر تعزیت آج تک کسی نے نہیں کی۔

حضرت زیدؓ کی شہادت کی خبر سُن کر حضرت عمرؓ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کی حیثیت بھی ایک بڑے قیمتی خراجِ تحسین کی ہے۔ انہوں نے فرمایا:

"میرا بھائی دو نیکیوں میں مجھ سے سبقت لے گیا۔ مجھ سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہُوا۔ اور مجھ سے پہلے جامِ شہادت نوش کیا"۔

حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ

حضرت مرثد ابن کناز بن حصین قبیلہ بنو مضر کی شاخ بنو غنی سے تھے۔ مضر
عرب کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اس قبیلے میں شجاعت و دلیری کی اعلیٰ مثالیں پائی
جاتی تھیں۔ اس قبیلہ کے پاس بکریوں کی بڑی کثرت تھی۔ عرب میں بکریوں اور
اونٹوں کی کثرت عزّو جاہ اور خاندانی مرتبت کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ بہت سے عرب
شعراء نے اپنے خاندانی مفاخر بیان کرتے ہوئے اپنے قبیلے کی بکری بھیڑوں اور اونٹوں
کی کثرت کا مضمون باندھا ہے۔ مخالف قبائل کی ہجو لکھتے ہوئے بھی اکثر شعراء
ان کی بزدلی اور کنجوسی کو ہدفِ تنقید بناتے رہے، ان کے مویشیوں کی قلّت کا تمسخر بھی
اڑاتے۔ قبیلہ مضر کی بکریوں کی کثرت اسی سے عیاں ہے کہ کسی شے کی بہتات کو
بیان کرنا ہوتا۔ تو کہا جاتا "فلاں چیز اتنی ہے۔ جتنے قبیلہ مضر کی بکریوں کے بال"۔ اسی
انداز میں حضور اکرم ﷺ نے بھی بعض احادیث میں قبیلہ بنو مضر کی بکریوں کو بطور تمثیل
بیان فرمایا ہے۔

قبولِ اسلام حضرت مرثد اور ان کے والد حضرت کناز بن حصین جو ابو مرثد
کے نام سے بھی معروف ہیں، اسلام کے ابتدائی دور میں حلقہ بگوش دین مبین ہو
گئے تھے۔ ان کے متعلق تاریخ میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

اَسْلَمَ هُوَ وَ اَبُوْهُ قَدِیْمًا یعنی وہ اور ان کے والد قدیم الاسلام تھے۔

حضرت مرثد کے ابتدائی حالات زیادہ تفصیل سے نہیں ملتے۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ آپ
حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے حلیف تھے۔ اس حلف میں دونوں باپ بیٹا شامل

تھے۔ عرب میں حلف ایک عام رسم اور روایت تھی۔ اس کے مطابق دو افر
آپس میں ایک دوسرے سے اخوت و دوستی کا معاہدہ کرتے تھے۔ اس
ایک دوسرے کے رنج و خوشی میں برابر کے شریک ہوتے۔ اور آپس کے
نقصان کو مشترک تصور کرتے۔ حلف کا معاہدہ کرنے کے بعد حلیف کی
جان کی بازی تک لگا دی جاتی۔ مگر معاہدے کی حرمت پر حرف نہ آنے د
عربوں میں اسلام سے قبل بے شمار برائیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ یہ قوم اخلاقی پستی
تک جا پہنچی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس قوم میں بعض خوبیاں ابھی تک موج
ان میں سے ایک خوبی عہد کا پاس اور زبان کی لاج رکھنے کی تھی۔ حلیف اپ
کو اسی طرح دیکھتا جس طرح اپنے خاندان اور قبیلے کے افراد کو دیکھا جا
حلیف کی عزت و حرمت بہت مقدم تھی۔ اس لحاظ سے حضرت مرثدؓ کا خاندا
حمزہؓ سے عہد حلف باندھنے کے بعد حضور اکرمؐ سے بھی خاندانی تعلق رکھتا تھا۔

مدینے میں حضرت مرثدؓ اور ان کے والد نے دوسرے صحابہؓ کے ساتھ مکہ س
کو ہجرت کی۔ ہجرت کے بعد حضور اکرم علیہ السلام نے مہاجرین مکہ اور انص
کے درمیان "مواخاہ" یعنی بھائی چارہ قائم کیا۔ اس بھائی چارے میں ایک
مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنایا گیا۔ بے دست و پا مہاجرین کے لئے
دل انصار نے اپنا سب کچھ لاکر پیش کر دیا۔ اپنے مال و متاع میں سے نصف
لئے رکھ لیا۔ اور بقیہ نصف اپنے بھائیوں کی نذر کر دیا۔ دنیا میں یہ ایمان افروز نقش
ہی بار منظر عام پر آیا۔ شاہِ عرب والعجم کے جانثار ساتھیوں نے اہل دنیا کو بتا
اسلامی بھائی کا ان کے نزدیک کتنا بلند مقام ہے۔ دنیا کی تاریخ میں سرزمین
کے اس روح پرور واقعہ کے علاوہ کہیں ہمیں اتنی عظیم الشان قربانی اور ایثار کی
نہیں ملتیں۔ بعض صورتوں میں تو انصاری بھائیوں نے خود بھوک اور ننگی برداشت

ں۔ اور مہاجر بھائیوں کو آرام و راحت پہنچائی۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں مذکور

ہیں۔ قرآن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ وہ (اپنے بھائیوں کو) اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں

خواہ اپنی ہی عسرت اور تنگی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔ ایک انصاری کا تو یہاں تک

واقعہ مذکور ہے۔ کہ اس کی دو بیویاں تھیں۔ اس نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا۔ کہ

اللہ کے رسول نے ہم دونوں کو بھائی بنا دیا ہے۔ میرے سارے مال و دولت میں سے

نصف لے لو۔ اور میری ایک بیوی سے جسے میں طلاق دے دیتا ہوں تم شادی کر لو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرثدؓ اور حضرت اوسؓ ابنِ صامت انصاری

کے درمیان بھائی چارہ قائم کرایا۔ حضرت اوسؓ نے بڑی خندہ پیشانی سے اپنے مہاجر

بھائی کا استقبال کیا۔ انہیں گلے سے لگایا اور اپنے مال و متاع میں شریک کر لیا۔

حضرت اوسؓ بن صامت مشہور صحابی عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے۔ دونوں

بھائیوں نے اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے

درجات بلند کر دیئے۔ یہاں یہ ذکر بھی کر دیتا ہوں۔ کہ حضرت اوس بن صامت کی

زوجہ حضرت خولہؓ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ سورۂ

مجادلہ کی ابتدائی آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا

میں حضرت خولہ ہی کا ذکر آیا ہے۔ انہوں نے ہی حضور اکرمؐ سے شکایت کی

تھی۔ کہ اُن کے خاوند نے ان سے ظہار[1] کیا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ اس سے طلاق

---

[1] ظہار کا مطلب جیسا کہ سورۂ مجادلہ کے مضمون سے واضح ہو جاتا ہے کسی شخص کا اپنی بیوی کو ماں یا بہن یا کسی محرم عورت سے تشبیہ دینا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ سمجھتے تھے۔ کہ اسطرح طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ آج بھی بعض جاہل مسلمان اسی باطل نظریہ کے حامی ہیں حالانکہ قرآن کریم میں اسکا بطلان واضح کیا جا چکا ہے۔ تاہم ظہار کیلئے قرآن مجید میں کفارہ ادا کرنیکا حکم آیا ہے۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو۔ سورۂ مجادلہ پہلا رکوع پارہ ۲۸

واقع ہو گئی۔ حالانکہ ظہار سے طلاق کس طرح واقع ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اللہ اس عورت کی آواز سن چکا ہے۔ جس نے (اے پیغمبر ص)
آپ کے ساتھ بحث و مجادلہ کیا۔ اپنے خاوند کے بارے میں۔۔۔۔ الخ) یہ بات ہمارے
مضمون سے متعلق اگرچہ نہیں ہے۔ تاہم قارئین کی معلومات کیلئے لکھ دی گئی ہے۔

جنگی خدمات

حضرت مرثد اور ان کے والد بڑے جنگ جو اور دلیر تھے۔ انہوں نے
میدانِ بدر میں اپنی جوانمردی کے خوب جوہر دکھائے۔ جنگ بدر کے
دن مسلمانوں کی پوری فوج میں صرف دو گھوڑ سوار تھے۔ ان دو میں سے ایک
حضرت زبیرؓ بن عوام تھے۔ اور دوسرے حضرت مرثدؓ کے والد ابی مرثدؓ تھے۔ وہ بہت
اچھے گھوڑ سوار تھے۔ اور گھوڑے رکھنے کا انہیں شوق بھی تھا۔ اور حقیقت بھی
یہ ہے۔ کہ جو گھوڑے اللہ کے راستے میں جہاد کی خاطر پالے جائیں۔ وہ اللہ کی رحمتوں
اور اس کے بے پناہ انعامات کا سبب بنتے ہیں۔ قرآن مجید میں سورۂ انفال میں ار
حکم دیا گیا ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (اور تم اپنی قوت حسبِ استطاعت مجتمع کر
رکھو۔ اور گھوڑے پال لو۔ تاکہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اس جنگی تیاری سے
ڈرتے رہیں"۔ یہ فی الحقیقت اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ایک ہے جس میں بنیادی
طور پر جو بات سمجھائی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اسلام حق و باطل کی کشمکش میں اپنے پیروکاروں
کو کمزوری اور مغلوبیت کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتا۔

حضرت مرثدؓ نے کفر و اسلام کے پہلے معرکہ میدانِ بدر میں خوب داد شجاعت دی
انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اللہ نے اُن کے اور اُن کے
بھائیوں کے جذبہ اور خلوص کی قدر کی۔ اور بے سر و ساماں جماعت قلتِ تعداد اور قلیل
ذرائع و وسائل کے باوجود فتح مند و کامران رہی۔

جنگِ اُحد میں بھی حضرت مرثدؓ شریک ہوئے۔ اور کمال بے جگری سے قریش
ی فوجوں کا مقابلہ کیا۔

مومنینِ مکہ کی امداد حضور اکرمؐ کے صحابہؓ تمام جنگی اُمور جانتے تھے۔ وہ کھلے میدان
بھی دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور گوریلا جنگ سے بھی واقف تھے۔ علاوہ ازیں مظلوم
انوں کو کفّار کے پنجۂ ستم سے نجات دلانے کے لئے وہ چھاپہ مار فورسز بھی منظم کرتے
جو راتوں کو چھاپے مارتے اور اپنے دینی بھائیوں کو کفر کے طوفانوں سے نکال لے
نے۔ حضرت مرثدؓ بھی گوریلا فوج کے کمانڈر تھے۔
ثر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ جاتے۔ اور جس جس جگہ کوئی بے بس مسلمان قید کی
ی گزار رہا ہوتا۔ اسے قید سے نکال لے جاتے۔ اس طرح انہوں نے بہت سے
ان قیدیوں کو رہائی دلائی۔

ایک رات حضرت مرثدؓ مکہ کے ایک مظلوم مسلمان سے وعدہ کر آئے کہ
سے کفار کے ظلم سے چھڑائیں گے۔ حسبِ وعدہ وہ ایک رات مکہ میں داخل
ئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ چاندنی رات تھی۔ اور میں دیواروں کے سائے میں
ا چھپاتا منزل کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں ایک دیوار کے پاس پہنچا۔ تو عناق
ظر مجھ پر پڑی۔ عناق مکہ کی ایک فاحشہ عورت تھی۔ اس نے انہیں دیکھ کر
تِ گناہ دی۔ حضرت مرثدؓ نے فرمایا:

ناق اِنَّ اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ الزِّنَا اُے عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیدیا ہے"

—— اس پر عناق غضب ناک ہو کر چلائی۔ "لوگو! یہ ہے وہ شخص جو اسیروں کو
بھگاتا ہے۔ دوڑو یہ جا رہا ہے۔" اہلِ مکہ نے جب یہ شور سنا۔ تو اٹھ کر حضرت
ؓ کے پیچھے بھاگے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میرے پیچھے آٹھ آدمی بھاگ رہے تھے۔ میں
ل کر ایک غار میں جا چھپا۔ تمام کافر میرے سر پر آ پہنچے۔ میں گھبرایا۔ مگر اللہ تعالےٰ

نے تمام دشمنوں کو جیسے اندھا کر دیا ہو۔ وہ میرے قریب کھڑے رہے۔ مگر ان
میرا پتہ نہ چل سکا۔ آخر واپس چلے گئے۔

حضرت مرثدؓ نے اپنے مظلوم اسلامی بھائی سے وعدہ کر رکھا تھا۔ کہ
اسے ظلم سے نجات دلائیں گے۔ اُدھر دشمن اطلاع پا کر ہوشیار ہو گئے تھے۔
کے مطابق مسلمان بھائی بھی منتظر تھا۔ اور حالات کے مطابق اپنی جان بھی خطرے
پڑ سکتی تھی۔ بہرحال حضرت مرثدؓ نے کچھ دیر انتظار کیا۔ اور جب سمجھے۔ کہ اب
بے خبر سو چکا ہو گا۔ تو اپنی غار سے نکلے۔ اور دوبارہ مکہ میں داخل ہو گئے۔ اپنے
بھائی کے پاس پہنچے۔ اسے بیڑیاں پہنائی گئی تھیں۔ اور وہ بھاری بھرکم آدمی تھا۔ حضرت
مرثدؓ نے اسے اٹھایا۔ مکہ سے باہر لا کر اسکی بیڑیاں کاٹ ڈالیں۔ اور بخیر و عافیت مدینہ
پہنچ گئے۔ حضرت مرثدؓ نے ہمت نہ ہاری اور عزم و استقلال کے ساتھ اپنا ارادہ پورا
اور خدا نے انہیں موت کے منہ سے نجات دے دی۔

حضرت مرثدؓ کی شہادت حضرت مرثدؓ شہدائے یوم الرجیع میں شامل ہیں۔ اس
کی تفصیلات تو کسی اور موقع پر نظرِ قارئین کی جائیں گی۔ مختصراً یہ کہ ایک دفعہ حضور
کے پاس ایک وفد آیا۔ اِس وفد میں قبائل عضل، قارہ اور لحیان کے افراد شامل
وفد نے آپؐ سے درخواست کی۔ کہ انہیں اسلام کی تعلیم دینے کے لیئے کچھ معلمین
جائیں۔ حضور اکرمؐ نے چھ صحابہ کو بھیجا۔ ان چھ مبلغین کو وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ لیکن
اچانک مقامِ رجیع پر پہنچ کر انہوں نے ان صحابہؓ پر حملہ کر دیا۔ بے خبری کے عالم
دشمن کے اچانک حملہ کے باوجود ان چھ جانثار صحابہؓ نے بددل ہونے کی بجائے
کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے تین صحابی حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد، عاصم بن ثابت اور خالد
بکیر رضی اللہ عنہم اجمعین جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اور تین صحابی حضرت خبیب
عدی، زید بن دثنہ اور عبد اللہ ابن طارقؓ گرفتار کر لیئے گئے۔ جنہیں ان غداروں نے

مکہ لے جاکر قریش مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قریش مکہ نے ان کو شہید کر دیا۔ حضرت
عاصمؓ بن ثابت کے متعلق تاریخ بتاتی ہے۔ کہ دشمن ان کی لاش کو خراب کرنے کے ارادے
سے آگے بڑھے۔ تو شہد کی مکھیوں کو ان کی لاش کی حفاظت کرتے ہوئے پایا۔ شہد
کی یہ مکھیاں کفار پر ٹوٹ پڑیں۔ اور انہیں بھاگتے ہی بنی۔ اس کے بعد سخت موسلادھار
بارش ہوئی۔ اور حضرت عاصمؓ کی لاش کو پانی بہاکر کفار کی دستبرد سے نکال لے گیا۔ حضرت
خبیبؓ کی شہادت جن حالات میں ہوئی۔ ان کی تفصیل ان کے حالات میں آئے گی ان شاء اللہ

حضرت مرثدؓ کی حیاتِ طیبہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے۔ کہ بندۂ مومن کی زندگی اوّل
سے آخر تک جدوجہد اور سعی و محنت کی زندگی ہے۔ اس کی زندگی کا نصب العین رضائے
الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ اور اسی نصب العین کی خاطر وہ دنیا اور اس کی تمام لذتوں اور
نفس کی تمام خواہشات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ پھر یہ نصب العین اختیار کرنے
کے بعد کسی مرحلہ پر اس کے دل میں غیر اللہ کا خوف پیدا نہیں ہو سکتا۔ وہ موت کے
مقابلہ پر اپنی ہمت نہیں ہارتا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تکتا ہے۔ باطل سے
مصالحت اس کی فطرت کے بالکل خلاف ہوتی ہے۔ روشنی کے یہ مینار ہمیں بتاتے
ہیں۔ کہ ہمارے دلوں میں دنیوی لذائذ اور نفسانی خواہشات کے طوفان اس وقت
تک موجزن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم اپنے اصل نصب العین اور مسلک اسلام
کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ کر دیں۔ غیر اللہ کا خوف اور باطل کے مقابلہ میں بزدلی اس
وقت پیدا ہوتی ہے جب دل سے خدا کا خوف نکال دیا جائے۔

—— ٭ ——

حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ

طفیلؓ بن عمرو قبیلہ دوس کے سردار تھے۔ یہ قبیلہ یمن کے نواح میں رہتا تھا۔ اسی قبیلے سے مشہور صحابی اور راوی حدیث حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق تھا جن دنوں سرزمین مکہ اہل حق کے لیے امتحان گاہ بنی ہوئی تھی حضرت طفیلؓ نے ان دنوں اسلام قبول کیا۔ یہ زمانہ نبوت کا تقریباً گیارہواں سال تھا۔ اس زمانے میں مٹھی بھر مسلمانوں کے لیے مکہ میں رہنا ازحد دشوار کر دیا گیا تھا مسلمانوں کی ایک تعداد حبشہ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اور وہاں امن و سکون کی زندگی گزار رہی تھی۔ قریش مکہ نے اسلام کی مخالفت میں اپنی پراپیگنڈہ مہم بہت تیز کر دی تھی۔ وہ دیکھ چکے تھے۔ کہ جو شخص بھی محمدؐ ابن عبداللہ کی بات سن لیتا ہے وہ ان کے دین میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسلام سے روکنے کے لیے انہوں نے اجنبیوں کے سامنے بہت زہریلا پراپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا جو بھی نیا آدمی مکہ میں آتا۔ اس کے سامنے اسلام اور داعیٔ اسلام کا ایسا نقشہ کھینچا جاتا۔ کہ وہ اسلام سے متنفر اور متوحش ہو جائے۔

طفیل بن عمرو دوسی مکہ میں آئے۔ تو ابوجہل اور دوسرے زعماء نے ان کا استقبال کیا۔ اور انہیں سمجھایا۔ کہ مکہ میں ایک شخص ہے۔ جس نے ایک نئے دین کی داغ بیل ڈالی ہے۔ وہ جس سے بات کر لیتا ہے۔ یا جس کے کان میں اس کی آواز پہنچ جاتی ہے وہ باپ دادا کے دین سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اور پھر باپ بیٹوں، بھائیوں اور میاں بیوی کے درمیان افتراق و عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔

طفیل خود بیان کرتے ہیں۔ کہ:

میرے سامنے قریش مکہ نے اس قسم کا نقشہ کھینچا۔ کہ میں خوف زدہ ہوگیا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ جب خانہ کعبہ میں طواف اور عبادت کے لئے جاتا۔ تو اچھی طرح سے روئی دبا لیتا۔ کہ کہیں میرے کانوں میں وہ آواز نہ پڑ جائے۔ جو "فتنے" اٹھاتی ہے (معاذ اللہ) آخر ایک دن میں نے دل میں سوچا۔ کہ یہ تو بڑی حماقت ہے۔ کہ میں بات سننے سے بھی ڈرتا ہوں۔ میں عاقل اور سمجھ دار ہوں۔ اچھی اور بری بات میں تمیز کر سکتا ہوں۔ میں کیوں نہ اس شخص کی بات سنوں۔ جس کی شکل و صورت سے شرافت اور نجابت ٹپکتی ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے روئی نکالی۔ اور خانہ کعبہ میں حضور اکرمؐ کے قریب کھڑا ہوگیا۔ آپ اس وقت نماز میں کھڑے تھے۔ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں نے آیات قرآنی سنیں۔ تو دل میں یقین ہوگیا۔ کہ یہ پیغام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ میں خود شاعر اور سخن شناس ہوں۔ اتنا بلند اور پُر حکمت کلام خالقِ حقیقی کے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔

حضور اکرمؐ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف نکلے۔ تو میں خاموشی کے ساتھ اُن کے پیچھے ہو لیا۔ میں ان کے گھر میں داخل ہوا۔ اور اُن سے عرض کیا۔ "اے محمدؐ! آپ کی قوم نے مجھے یہ اور یہ باتیں کہی تھیں۔ اور اسی لئے میں کچھ سننے سے گریزاں رہا۔ اب بات سنی ہے۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ آپ کے پاس واقعی کوئی مافوق الفطرت پیغام ہے۔ اپنی تعلیمات اور اپنے دین کے اوامر و نواہی سے مجھے مطلع کریں۔ حضور اکرمؐ نے اسلام کی تعلیمات میرے سامنے پیش فرمائیں۔ اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔"

حضرت طفیلؓ کو اسلام سے دور رکھنے کی خاطر قریش نے بڑا زور لگایا تھا۔ لیکن قدرتِ حق نے ان کا دل اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ اور وہ اس عظیم ترین نعمت سے

متمتع ہو گئے۔ آپ کے قبولِ اسلام کی خبر جب قریش کو ملی۔ تو ان کی امید
اوس پڑ گئی۔ وہ بہت پریشان ہوئے۔ ان کی ساری پیش بندی ناکام ہو چک
ایک طاقتور قبیلے کا سردار اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ سچ بات یہ ہے۔ ک
جسے چاہتا ہے۔ ہدایت بخشتا ہے۔ اور اس کا اپنا فیصلہ تو یہی ہے۔

یَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ (جو اس کی طرف جھکنے والا ہ
وہ راہِ ہدایت پر لے آتا ہے)

قبولِ اسلام کے بعد حضرت طفیلؓ نے حضور پاکؐ سے عرض کیا
"یا رسول اللہ! میں اپنی قوم میں واپس جا رہا ہوں۔ اب
میں مسلم ہوں۔ اور میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ تمام
لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دوں۔ میں قوم کا سردار ہوں۔
آپ دعا کریں۔ کہ قوم کے سامنے پیش ہوتے وقت مجھے خدا کی
طرف سے کوئی آیت (نشانی) عطا کی جائے۔ جو دعوت و تبلیغ
کے کام میں میری مدد ہو سکے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:
"باری تعالیٰ! خیر اور بھلائی کے کام میں طفیل کا مددگار بن"۔

حضرت طفیل کہتے ہیں۔
"میں جب اپنے قبیلے کی پہاڑیوں کے قریب پہنچا۔ اور ایک گھاٹی پر
چڑھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ایسی روشنی پھیلا دی جیسے
وہ شہابِ ثاقب ہو۔ اس روشنی کو رات کی تاریکی میں تمام دیکھنے
والوں نے دیکھ لیا"۔

چونکہ حضرت طفیل مکہ سے واپس آ رہے تھے۔ اس لئے ان کا سار

کے استقبال کے لئے گھروں سے نکل آیا تھا۔ سب سے پہلے ان کا باپ ان سے ملنے کے لئے آگے بڑھا تو حضرت طفیلؓ نے کہا۔ "ابا جان! اب میرا اور آپ کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔"

"انہوں نے پوچھا کیوں؟"

آپ نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں بت پرستی چھوڑ کر دینِ حنیف میں داخل ہو گیا ہوں۔ اب میں مسلمان ہوں۔"

ان کے والد نے کہا۔ "بیٹے جو تمہارا دین ہے وہی میرا دین ہے۔ مجھے بھی اسلام میں داخل کر لو۔"

یہ سن کر حضرت طفیلؓ نے اپنے بوڑھے باپ کو گلے سے لگا لیا۔ اس طرح ان کی اہلیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ لیکن جب حضرت طفیلؓ نے اپنے قبیلے کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی۔ تو قبیلے نے اس دعوت کو رد کر دیا۔

حضرت طفیل کچھ عرصہ بعد مکہ میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بنو دوس میں زنا اور شراب کی بہتات ہے ان کیلئے بد دعا کیجئے۔

اس کے جواب میں رحمۃ اللعالمین نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہِ ربانی میں کہا۔ "الٰہی دوس کو ہدایت دے" حضرت طفیل واپس اپنی قوم میں گئے اور دوبارہ تبلیغ شروع کر دی۔ اس دفعہ کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

جنگ خندق تک طفیلؓ اپنی قوم میں ہی رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں حضور اکرمؐ کے پاس چلے آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ بنو دوس کے ستر سے لے کر اسی خاندان مدینہ میں آ گئے۔ فتح مکہ کے وقت بھی حضرت طفیل حضور پاک کے ساتھ تھے۔

فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے حضرت طفیل کو قبیلہ بنو عمرو کے بت "ذوالکفین" کو

جلانے کے لیئے روانہ فرمایا۔ حضرت طفیل نے وہاں جاکر ذوالکفین بت پر ایند
رکھا۔ اور اسے آگ لگادی۔ یہ ایک بہت بڑا لکڑی کا بت تھا۔ آگ کے شع
بلند ہوئے اور بت خاکستر ہو گیا۔ جب بت جل رہا تھا۔ تو حضرت طفیل نے جوشِ تو
میں آکر کہا۔

یَا ذَا الْکَفَّیْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِکَا   اِنِّیْ حَشَوْتُ النَّارَ فِیْ فُؤَادِکَا

اے ذوالکفین۔ میں تیری عبادت کرنے والوں میں سے نہیں ہوں
نے تیرے دل میں آگ بھر دی ہے۔ (تو میرا کیا بگاڑ سکتا ہے)

باقی ماندہ زندگی حضرت طفیلؓ نے مدینہ میں ہی گزاری۔ تاآنکہ حضور اکر
دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ حضور پاک کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ز
خلافت میں آپ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے پر جانیوالی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ را
میں حضرت طفیلؓ نے ایک خواب دیکھا۔ اور تعبیر یہ کی۔ کہ مجھے شہادت نصیب ہو
اس جنگ میں حضرت طفیل کے بیٹے اور مشہور صحابی حضرت عمروؓ ابن طفیل بھی
تھے۔ جنگ بڑی گھمسان کی ہوئی۔ بے شمار صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔
سخت ترین مقابلہ کے بعد مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے اور فتح حاصل کرنے میں کامی
ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت طفیلؓ نے شہادت پائی۔

ان کے صاحبزادے حضرت عمروؓ ابن طفیل نے بڑی جنگوں میں حص
ایران اور روم کے خلاف حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے دورِ خلافت
جو بڑے بڑے عظیم الشان معرکے ہوئے۔ ان میں حضرت عمروؓ کسی نہ کسی مح
ضرور موجود رہے۔ ان کے والد حضرت طفیلؓ نے جنگِ یمامہ سے قبل جو خوا
دیکھا تھا۔ اس میں یہ بھی بتایا تھا۔ کہ میرا بیٹا بھی اس جنگ کے بعد شہادت
گا۔ خواب کے مطابق حضرت طفیلؓ جنگِ یمامہ میں شہید ہو گئے۔ جبکہ حضر

کے حصے میں شہادت کئی برس بعد جنگِ یرموک میں آئی۔ اور یوں دونوں نے جس طرح حق کی دولت پائی تھی اسی طرح شہادت کا رتبہ بھی پالیا۔

حق اور باطل کی ازلی وابدی کشمکش میں یہ بات بہت نمایاں رہی ہے۔ کہ باطل باوجود اپنی تمام تر شوکت وسطوت اور رعب ودبدبے کے حق کے مقابلہ میں دلیل سے بات کرنے پر کبھی آمادہ نہیں ہوا۔ باطل کو یہ احساس ہمیشہ رہا ہے کہ دلیل اور معقولیت سے اسکا دامن خالی ہے۔ اور اس کے بالمقابل کے پاس دل کو مسخر کرنے اور دماغ کو قائل کر لینے والے دلائل واضح اور براہین قاطع موجود ہیں۔ اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے باطل نے ہمیشہ ایک طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور زمانۂ قدیم سے لے کر آج تک وہ مذموم طریقہ دنیا میں بدستور چل رہا ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے۔ کہ عوام الناس کو حق بات سننے کا موقع نہ دیا جائے۔ اگر یہ بات لوگوں نے سن لی۔ تو باطل کی سیادت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اس لئے کہ انسان میں بلاشبہ نیکی اور بدی کے جذبات اور داعیے موجود ہیں۔ لیکن انسان کی فطرت نیکی کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور بے شمار سلیم الفطرت روحیں حق کے واضح ہونے کے بعد اسے قبول کر کے ہی دم لیتی ہیں۔ یہی ذہنی تبدیلی باطل کے خلاف ایک زبردست انقلاب ہے جسے باطل برداشت نہیں کر سکتا۔ قریش مکہ کا یہ طریقہ مضمون کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں قرآن کی زبانی سنیئے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۔	اور کفار نے منصوبہ بنا کر، کہا۔ اس قرآن کو نہ سنو۔ اور شور مچا کر کسی کو بھی نہ سننے دو۔ اسی سے شاید تم غالب رہو گے۔

آج بھی اس دور میں تحریک اسلامی کے مخالفین کو ہم نے بارہا یہ کہتے سنا ہے۔ کہ ان ارکانِ تحریک اسلامی کی بات جو بھی سن لے گا۔ وہ ضرور متاثر ہو

گا۔ اور اس طرح اپنے اعتقادات سے روگردانی کر جائے گا۔ لہٰذا ان کی بات نہیں سننی چاہئیے۔ ایک بار ایک نہایت ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان نے (جو آن دنوں انگلینڈ میں ایم بی۔ بی۔ ایس ڈاکٹر کے طور پر ملازم ہیں) برملا یہ کہا۔ "میں مولانا مودودی کی کتابیں ہرگز پڑھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ مجھے یقین ہے جوں ہی میں نے ان کا لٹریچر پڑھا۔ میں متاثر ہو جاؤں گا۔ اور میرے تمام نظریات باطل ہو جائیں گے۔" باطل کی تمام تر پیش بندیوں کے باوجود حق سامنے آ ہی جاتا ہے۔ اور طفیل دوسیؓ جیسے انصاف پسند اور حق پرست افراد سچائی کو پا ہی لیتے ہیں۔

اسلام ایک انقلابی پیغام ہے۔ اس پیغام میں نظریات کی بنیاد پر تعلقات استوار کئے جاتے ہیں۔ جو لوگ اس پیغام میں اشتراک پیدا کر لیں وہ ایک ہی خاندان کے افراد بن جاتے ہیں اور جو اس پیغام سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے باوجود بھی غیر ہی ہوتے ہیں۔

حضرت طفیلؓ نے اپنے خاندان میں واپس جا کر اسی فلسفۂ انقلاب انگیز کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب انہوں نے باپ اور بیوی سے کہا کہ تم سے میرا تعلق اسی وقت بحال رہ سکتا ہے۔ جب تم میرے دین میں داخل ہو کر میرے ہمنوا بن جاؤ۔ اس کے علاوہ ہر مسلم اسلام کا سچا سپاہی اور ان تھک مشنری ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اب اس کی ذمہ داری ہے۔ کہ تمام بنی نوع آدم کو اس کی طرف دعوت دے۔ آج کل ہمارے یہاں وہ مشنری جذبہ سرد پڑ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ امتِ مسلمہ ادبار کی طرف گامزن ہے۔ اس ادبار سے نکلنے کے لیے وہ سچا اور پُر خلوص جذبہ ہر فردِ ملت میں دوبارہ راسخ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ یہ جذبہ کسی جاندار تحریک کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اور خدا کا شکر ہے۔ کہ ایک جاندار تحریک وطن عزیز میں سرگرم عمل ہے — اللہ تعالیٰ اسے نیک مقاصد میں کامیاب بنائے۔ آمین!

حضرت سہیلؓ بن عمرو

حضرت سہیلؓ بن عمرو قریش کے بہت بڑے رئیس تھے۔ وہ قبیلہ بنی عامر بن لوئی میں سے تھے۔ اس قبیلے سے تاریخ اسلام کی بعض بہت ہی نامور ہستیوں کا تعلق ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ کو آنحضور علیہ السلام نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کے بعد حضرت عمرؓ نے انہی کو اسلامی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا اور ان ہی کی قیادت میں سلطنت روم کو عبرتناک ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ ابو جندلؓ صحابی کا نام بھی تاریخ میں زندہ جاوید ہے۔ وہ سہیل ابن عمرو کے فرزند تھے۔

سہیل بن عمرو قریش کے ان معزز سرداروں میں سے تھے جن کی رائے کے بغیر قریش کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے۔ ان کی عقل و فراست اور تقریر و خطابت کا پورے عرب میں شہرہ تھا۔ ان کی بعض تقاریر عربی زبان و ادب میں اپنی شعلہ نوائی کثرت دلائل اور ادبی چاشنی کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل ہیں۔ ان کی تقاریر زمانہ جاہلیت میں اسلام کے خلاف ہوتی تھیں۔ اور بے شمار لوگوں کو اسلام سے متنفر کر دیا کرتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ نور ایمان سے منور کر دیا تو ان کی فصاحت و بلاغت شمشیر بے نیام بن کر باطل کا قلع قمع کرنے لگی اور ان کا جوش خطابت اسلام اور امت مسلمہ کے لیے ڈھال بن گیا۔

ہم آج جب ان کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے
حضرت سہیلؓ تحریکِ اسلامی کے داعی کی حیثیت سے ہمارے لیے روشنی کا مینار
ہیں۔ اس مضمون میں یہی بات پیشِ نظر ہے کہ ہم اپنے عظیم ہیرو کی زندگی سے راہ
حاصل کر کے اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کر سکیں۔ ان نفوسِ قدسیہ کی ز
محض سرمایۂ تاریخ ہی نہیں کہ ان کو تاریخ کے صفحات میں پڑھ کر تھوڑی سی دیر کے
ہم افتخار کر لیں۔ اور پھر ان کو تاریخ کے دبیز پردوں میں دفن کر دیں۔ ہمارے اسلاف
زندگیاں ہمارے لیے ایک تحریک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور تحریک بھی کا مدار
بلند ولولوں پر چھپ کر نہیں رہا کرتی وہ تو کھلی دنیا میں ایک جیتی جاگتی پھرتی متحرک قوت
ہے۔ اسی لیے تو اس کا نام تحریک ہے۔ ہمارے اجداد شکلِ تحریک دنیا میں زندہ
لیکن اب ہم نے ان کی قبروں پر دیئے جلا دیئے اور ان کے ایام منا لینے ہی کو
کافی سمجھ لیا ہے یہی تو ہمارے ذلّت ادبار و انحطاط کا راز ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام (یعنی تم میں سے جاہلیت کی زندگی میں
اچھے (مقام کے حامل) تھے۔ وہ اسلام میں بھی عالی مرتبت ہیں"۔ اسی حدیث کی رو
میں جب ہم ابن عمرو کی زندگی کا مطالعہ کریں۔ تو یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ
اگر جاہلیت میں آپ اوّلین صفوں میں تھے تو قبولِ اسلام کے بعد بھی آپ آگے ہی آگے
رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دو حالتوں میں آپ کے کارنامے آپ کی جماعت
آپ کے ہم مسلک ساتھیوں کے لیے باعثِ فخر تھے۔ لیکن دونوں حالتوں کے
درمیان بعد المشرقین ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ آپ کی زبان و شمشیر قریش کی قومی حمیت
کی مسلسل پیکار تھی۔ مگر پھر وہ دور بھی آیا جب آپ نے اس جاہلانہ حمیت اور
عقائد کی جگہ کا شادی۔ اس وقت آپ شمع حق کے پروانوں میں شامل ہو کر اپنے

سے اِس شمع کی لو کو تیز کرنے کا عہد کر چکے تھے۔ اور اس عہد کو انہوں نے پورا کر دکھایا۔ کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیئے اپنی متاعِ حیات پیش کر دی اور شہید ہو کر جاوداں ہو گئے۔

اب ہم چند تاریخی و سوانحی واقعات کا تجزیہ کرتے ہیں جن سے یہ معلوم ہو گا۔ کہ آپ کی زندگی میں نظریات کی تبدیلی نے کتنا عظیم انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اگر کوئی نظریہ کسی انسان کی زندگی کی کایا نہ پلٹ سکے۔ تو دو صورتوں میں سے ایک ہی ممکن ہے۔ کہ یا تو وہ نظریہ ہی جامد و منجمد ہے۔ اور یا اس نظریے کا مدّعی اپنے دعوے میں سچّا اور کھرا نہیں ہے۔ اسلام ایک بہت انقلابی نظریہ ہے۔ اور یہ جہاں ایک طرف پوری کائنات میں اپنا نظام قائم کرنے کے لیئے انقلاب کا تقاضا کرتا ہے وہاں افراد سے بھی اس کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند کے تمام پیمانوں کو توڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی مرضی کو اختیار کر لیں۔

جناب سہیلؓ قریش کے مقتدر لیڈر تھے۔ اور ان کا بھی دعویٰ ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب کی طرح یہ تھا۔ کہ قریش اعلیٰ نسل کا قبیلہ ہے۔ اور اسے دیگر تمام قبائل کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے۔ اسلام نے انسانیت کی اخوّت و مساوات کا جو درس پیش کیا۔ اور فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ تو اس عصبیّت کے علمبرداروں نے اُدھم مچا دیا۔

چنانچہ اسلام اور کفر کی پہلی جنگ غزوہ بدر میں قریش نسلی تفاخر اور قومی عصبیّت کے جھنڈے تلے ہی جمع ہو کر اسلام کے مقابلے پر آئے تھے۔ سہیلؓ بن عمرو بھی کفار کی طرف سے لڑائی میں شریک تھے۔ اور اپنے ساتھیوں کو جنگ پر ابھار رہے تھے اسی جنگ میں آپ گرفتار ہوئے۔ اور اسیر بنا کر مدینہ لے جائے گئے۔ ابن دخشم صحابی نے آپ کو گرفتار کیا۔ اور گرفتاری کے بعد فخریہ شعر پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے

أَسَرْتُ سُهَيْلًا فَمَا أَبْتَغِي ۔۔۔ أَسِيْرًا بِهِ مِنْ جَمِيْعِ الْأُمَمِ

(میں نے سہیل (جیسے نامور جواں مرد) کو اسیر بنا لیا ہے۔ اور مجھے کیا چاہیئے۔ کہ میں نے ایسے شخص کو گرفتار کیا ہے۔ جس سے پوری قومیں گرفتار ہو گئی ہیں)

جب اسیرانِ بدر مدینہ لائے گئے۔ تو سہیل ابن عمرو کو دیکھ کر ایک عامری نوجوان "مکرز بن حفص" نے حضور اکرم سے استدعا کی۔ کہ مجھے اس کی جگہ قید کر دو۔ اور اسے چھوڑ دو۔ تاکہ یہ اپنا فدیہ لا کر ادا کر دے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سہیل اپنی قوم میں بہت معزز اور محبوب لیڈر تھے۔ دوسرے ان پر قوم کو اعتماد تھا کہ وہ وعدے کا پاس رکھنے والے ہیں۔

ہجرت کے پانچ سال بعد ۶ھ ہجری میں حضور اکرم مکہ سے روانہ ہوئے۔ تاکہ خانہ کعبہ میں جا کر عمرہ ادا کر سکیں۔ آپؐ کے ساتھ چودہ سو جانثار صحابہ تھے۔ قریش نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ آپؐ مقام حدیبیہ پر قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں آپؐ کے درمیان اور قریش کے سفیروں کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ بالآخر قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو سفیر بن کر آئے۔ حضور اکرمؐ نے جب ان کی آمد کی خبر سنی تو فرمایا:

لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ اَمْرِكُمْ (اب تمہارا کام آسان ہو گیا ہے)

سہیل بن عمرو کی سفارت کامیاب رہی۔ اور دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہو گئی۔ اس کو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس صلح کی جو شرائط طے کی گئیں۔ ان سے بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا۔ کہ قریش کو اس معاہدے میں بالادستی حاصل ہو گئی ہے۔ اور مسلمانوں نے قریش مکہ کی پیش کردہ شرائط کو دب کر قبول کر لیا ہے۔ یہ تو خیر الگ بات ہے۔ کہ ایک طرف انسانی عقل کام کر رہی تھی اور دوسری طرف وحیٔ ربانی کی راہنمائی میں بات چیت ہو رہی تھی۔ اس لئے بالآخر قریش مکہ کی خوش فہمیوں کے باوجود اس معاہدے کے نتائج مسلمانوں کے حق میں بہتر اور کفار کے حق میں بدتر ثابت ہوئے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ ظاہراً اس معاہدے کو صحابہؓ کی ایک بڑی تعداد نے اپنے حق میں نقصان دہ سمجھا اور

فاروقِ اعظمؓ تو بہت ہی زیادہ ملول و مضطرب تھے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب معاہدہ لکھا جا چکا تھا تو عین اس وقت قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کا اپنا بیٹا ابو جندل جس کے دل کا قلعہ اسلام کے لیے فتح ہو چکا تھا۔ اور جسے قبولِ حق کی پاداش میں اس کے باپ نے مکہ میں محبوس کر رکھا تھا کسی نہ کسی طرح قید سے بھاگ کر گرتا پڑتا اس مقام پر آن پہنچا۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ اور نہایت لجاجت کے ساتھ اس نے حضور اکرمؐ سے استدعا کی کہ مجھے اب اپنے ساتھ مدینہ لے چلیں۔ چونکہ معاہدے کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو مسلمان مدینہ میں مرتد ہو جائے گا۔ اسے مکہ جانے کی اجازت ہو گی۔ مگر جو کفار مکہ میں اسلام قبول کریں گے انہیں مدینہ جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ از روئے معاہدہ حضور اکرمؐ پابند تھے کہ ابو جندل کو واپس کر دیں۔ ایک طرف ایک مظلوم مسلمان کی درد بھری داستان تھی۔ اور چیخ و پکار سے مملوّ درخواستیں۔ مگر دوسری جانب معاہدے کی پابندی تھی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ انہوں نے حسرت بھری نظروں سے ابو جندل کو دیکھا۔ اور حضور اکرمؐ کے جواب کے منتظر رہے۔ آپؐ نے ابو جندل کو تسلّی دی۔ اور واپس کرتے ہوئے کہا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔ اس موقع پر یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ابو جندل نے یہ نہ سوچا۔ کہ اگر اسلام اور اہل اسلام میری مدد کرنے سے قاصر ہیں اور نہ مجھے پناہ بھی نہیں دے سکتے۔ تو میں کیوں اس جماعت سے چمٹا ہوں؟ یہ بات وہ لوگ ہی سوچا کرتے ہیں۔ جو ذاتی اغراض و ہوائے نفسانی کو قربان کرنے کا داعیہ اپنے اندر نہیں رکھتے۔ مگر جب ایک شخص اپنے ذہن و دل سے خوب سوچ سمجھ کر کسی نظریئے کو اپناتا ہے تو پھر اسے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اسے اپنے نصب العین سے جو والہانہ عشق ہوتا ہے۔ وہی ہر منزل میں اُس کی

رہنمائی کرتا ہے۔ ابوجندل جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام معاہدے کی رو سے اس کی پابندی کے مکلف ہیں۔ اور میں نے جو اسلام قبول کیا ہے۔ تو کسی پر احسان نہیں کیا۔ بلکہ اپنی ہی بھلائی کے لئے اسے اختیار کیا ہے۔

قریش مکہ نے سہیل کی فراست کی بہت داد دی۔ اور اس کی "کامیاب سفارت" پر مکہ میں جشن منائے گئے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھے۔ کہ مکہ سے اگر کوئی اسلام قبول کرے گا۔ تو اسے مدینہ جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ لیکن یہی شق ان کے لئے وبالِ جان بن گئی۔ ابوجندلؓ اور ان کے ساتھی ابوبصیرؓ نے مکہ سے بھاگ کر ایک پہاڑی پر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ چنانچہ قریش مکہ نے خود ہی استدعا کی۔ کہ معاہدے کی یہ شق منسوخ کر دی جائے۔ اور ابوجندلؓ اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیا جائے۔ چنانچہ راہِ حق کے یہ راہی مدینہ میں حضورؐ کے قدموں میں آ گئے۔

صلح حدیبیہ کے ذکر میں وہ بحث و تکرار بھی قارئین کے سامنے آجانی چاہیئے جو بعض الفاظ پر سہیل بن عمرو اور مسلمانوں کے درمیان ہوئی۔ اس بحث سے ایک طرف سہیل کی ذہانت اور فراست اور اپنے فرضِ منصبی کا احساس واضح ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف اسلام سے اس کی نفرت کا پتہ چلتا ہے۔ اس معاہدہ کی شرائط زبانی طے ہو جانے کے بعد اسے ضبطِ تحریر میں لایا جا رہا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کاتب تھے آپ نے معاہدے کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔ تو سفیرِ قریش نے اعتراض کیا۔ کہ ہم نہیں جانتے رحمان کیا ہوتا ہے؟[1] اس کی جگہ باسمک اللّٰھمّ لکھا جائے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ کہ باسمک اللّٰھمّ لکھ دیا جائے ازاں

---

[1] قرآن مجید کی سورۃ الفرقان میں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ جو اُن کے ہاں متداول تھا۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ط جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ رحمان کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تو کہتے ہیں۔ رحمان کیا ہوتا ہے؟

بعد حضرت علیؑ نے لکھا۔ کہ "یہ معاہدہ محمدؐ رسول اللہ اور قریشِ مکہ کے درمیان ہے"۔ سہیل نے اس پر اعتراض کیا۔ کہ اگر ہم ان کو رسول اللہ تسلیم کریں۔ تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے۔ اور اس معاہدے کی ضرورت کیوں درپیش آئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ یہ الفاظ کاٹ کر یوں لکھا جائے "محمدؐ ابنِ عبداللہ اور قریشِ مکہ کے درمیان" حضرت علیؑ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں ان الفاظ کو کاٹنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھے دکھاؤ کہاں وہ الفاظ لکھے ہیں۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ سے ان الفاظ کو محو کر دیا۔ اور حضرت علیؑ سے فرمایا۔۔۔ اِنَّكَ سَتُدْعٰى لِمِثْلِهَا فَتُجِيبُ
(آپ کو بھی ایسی ہی تکلیف عنقریب دی جائے گی۔ اور آپ کو اسے ماننا پڑے گا)
چنانچہ حضرت علیؑ کے زمانۂ خلافت میں جب مرتضیٰؑ اور امیر معاویہ کے درمیان مسئلہ خلافت پر تنازعہ ہوا۔ تو مصالحت کی کوشش بنا بر دو اطراف سے دو سفیر مقرر کئے گئے۔ جب کاغذ پر امیر المومنین علی ابن ابی طالب لکھا گیا۔ تو حضرت عمرو ابن العاص جو امیر معاویہ کی طرف سے ثالث تھے معترض ہوئے۔ کہ اگر ان کو امیر المومنین تسلیم کر لیا جائے تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت ابو تراب شیرِ خدا نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہوا لفظ امیر المومنین کاٹ دیا۔ حالانکہ وہ فی الحقیقت خلیفہ راشد اور امیر المومنین ہی تھے۔ اس موقع پر موجود ان تمام صحابہ نے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے حضور اکرمؐ کی اس پیشین گوئی کو پورا ہوتے دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

حضور اکرمؐ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اور تمام قریش کی اکڑی گردنیں خم ہو گئیں۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضور اکرمؐ کو مشورہ دیا۔ کہ سہیل بن عمرو نے اپنی شعلہ بیان تقاریر سے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف بہت زہر اگلا تھا۔ اس لئے اب ان کے سامنے کے دانت نکلوا دینے چاہئیں۔ اور ان کی زبان کاٹ دینی چاہئیے تاکہ آئندہ کبھی وہ اسلام کے خلاف زبان درازی نہ کر سکیں۔ لیکن اس موقع پر صادق

مصدوق نے اپنی رحمۃ اللعالمینی کا جلال دکھاتے ہوئے فرمایا: دَعْہُ فَعَسٰی اَنْ یَقُوْمَ مَقَامًا تَحْمَدُہٗ (یعنی اسے چھوڑ دو شاید کبھی وہ (اپنی زبان سے) ایسے مقام پر کھڑا ہو۔ کہ جس سے خوش ہو جاؤ) ؎

حضرت سہیل بن عمرو نے بھی تمام قریشی سرداروں کی طرح اسلام قبول کر لیا۔ اور حضور اکرمؐ نہ صرف مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے بلکہ آپ کے حلم و عفو نے اپنے بدترین مخالفوں کے دلوں کے قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور وہاں اسلام کا جھنڈا نصب ہو گیا۔ قبولِ اسلام کے بعد سہیل بن عمرو کی زندگی بالکل ہی بدل گئی۔ اب وہ سہیل بن عمرو مر چکا تھا۔ جو بدر میں اسلام پر حملہ آور ہوا تھا۔ جس نے اسلام کے خلاف بڑے بڑے مجمعوں کو اپنی خطابت کے جادو سے بھڑکا دیا تھا۔ اور جسے محمدؐ رسول اللہ کے الفاظ لکھنے پر اعتراض تھا۔ اب اس سہیلؓ کی جگہ ایک نیا سہیلؓ دنیا کے سامنے آیا۔ اس سہیلؓ نے اسلام کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے اپنی زبان و قلم اور شمشیر دسناں کو کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے وقف کر دیا اب اسے فکر تھی۔ تو یہ کہ کہیں قبائلی عصبیت سر نہ اٹھائے۔ اس کی تمام تر کوشش اسی خاندانی فخر و مباہات کو دفن کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔ جس کو ابھارنے کے لئے کبھی وہ ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتا تھا۔ اب اسے پریشانی تھی۔ تو اس بات کی۔ کہ زمانہ جاہلیت کی خطاؤں کی تلافی ہو سکے۔ تو کیونکر؟ اب اس کے دل کے ارمان یہ تھے کہ وہ اپنی جان راہِ خدا میں قربان کر کے سرخرو ہو سکے اور جان کی بازی لگانے کے بعد بھی پکارے ؎

؎ حضرت عمرؓ اور بعض صحابہ کرامؓ نے جنگِ بدر میں بھی حضرت سہیل کی گرفتاری کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ کہ ان کے دانت توڑ دیئے جائیں۔ اس تجویز کے جواب میں ہادی برحقؐ نے فرمایا تھا "خدا کی قسم میں اگر اس کے دانت توڑوں گا۔ تو خدا میرے دانت توڑ دے گا۔ باوجود یکہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں"۔

جان دی دی ہوئی اُس کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

اب اس کے ذہن میں یہ بات نہ تھی۔ کہ مَیں قوم کا رہنما ہوں۔ اب وہ اپنے
آپ کو تحریک اسلامی کا ایک ادنیٰ کارکن سمجھ کر بھی مطمئن تھا۔ یہ سارا انقلاب کیونکر
ممکن ہوا؟ ایک کلمہ پڑھ لینے سے کیسے ایک شخص کی مکمل زندگی ہی تبدیل ہو
گئی؟ ہم بھی وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور نہ معلوم دن میں کتنی دفعہ اسکا ورد کرتے
ہیں۔ لیکن ہماری عملی زندگیوں میں یہ کلمہ کسی انقلاب کا موجب کیوں نہیں ہوتا؟
دراصل اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہم پیدائشی مسلمان ہیں۔ ہم نے اسلام کو سوچ سمجھ
کر قبول نہیں کیا۔ بلکہ ہم اس لئے مسلمان ہیں۔ کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے۔
انہوں نے اِس کلمہ کو پڑھنے سے قبل خوب سوچ لیا تھا کہ اس کلمہ کے مطالبات
اور تقاضے کیا ہیں۔ انہیں خوب علم تھا۔ کہ ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے　　لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مَیں سمجھتا ہوں۔ کہ جہاں مُسلم گھرانوں میں ہمارا پیدا ہونا ہماری خوش قسمتی
ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہمیں دولتِ اسلام میسّر آئی ہے۔ وہاں اس کے ساتھ
ہی یہ ہماری بد قسمتی ہے۔ کہ ہم اسلام کے مطالبات و اوامر کو جان بوجھ اور سمجھ کر قبول
نہیں کرتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ہم شُتر بے مہار کی حیثیت سے نکل کر ایک ذمہ دار
اور جوابدہ فرد کی پوزیشن میں آچکے ہیں۔ ہماری عملی زندگیوں میں جمود اور بے عملی
اسی وجہ سے ہے۔ کہ ہمارے اسلاف سوچ سمجھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے
تھے۔ اور ہم پیدائشی مسلمان ہیں۔ وہ کردار تھے۔ اور ہم گفتار ہیں۔

حضرت سہیل بن عمرو کی وہ خطابت جس کے جوہر وہ اسلام کے خلاف دکھایا
کرتے تھے۔ اسلام کے کام آگئی۔ ایک ایسے موقع پر جب بڑے بڑوں کے قدم
ڈگمگا گئے۔ سہیل بن عمرو کشتیٔ اسلام کے ناخدا بن کر آئے۔ اور اسے منجدھار سے نکال

لے گئے۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد پورے عرب میں فتنۂ ارتداد اور فتنۂ انکار زکواۃ کے علاوہ جھوٹے مدعیان نبوت کی شورش برپا ہوگئی۔ مدینۂ رسول میں تو ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ اور طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابی موجود تھے جن کو سابقون الاوّلون ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اور جن کی تربیت آغاز اسلام سے ہی حضور اکرمؐ نے خود کی تھی لیکن مکہ تو بہت بعد حلقہ بگوش اسلام ہوا تھا۔ اور ابھی تک قبائلی عصبیت کی چنگاریاں خاکستر نہ ہوئی تھیں۔ ابھی وہاں وہ سرداران قوم موجود تھے۔ کہ جن کے سر اٹھانے کا امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ لیکن جونہی حضور پاک کی وفات کی خبر مکہ پہنچی۔ سہیل بن عمرو کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں کے بہت بڑے ہجوم میں اپنی فصاحت و بلاغت کے دریا بہا کر خوف خدا اور اطاعت اسلام کا جذبہ پیدا کیا۔ یہ وہی سہیل ابن عمرو تھے۔ کہ جن کی زبان نکالنے کی تجاویز حضرت عمر جیسا صحابی پیش کر رہا تھا۔ لیکن رسول برحق کو علم تھا۔ کہ سہیل تلافی مافات کرے گا۔ اور اسلام کی خدمت کر کے مسلمانوں کے دل موہ لے گا۔ مکہ کو قابو میں رکھنا کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ اگر ہمارے عظیم ہیرو حضرت سہیل وہاں پر حالات کو کنٹرول نہ کرتے تو ممکن تھا کہ حالات کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ تمام مجمع خاموش تھا۔ اور سہیل بن عمرو کی دلیرانہ تقریر سن کر کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔ کہ اطاعت امیر کے خلاف زبان کھول سکے۔ ان کی اس تقریر کے یہ حصے خاص طور پہ ایمان و ایقان سے پُر ہیں۔ "لوگو جان لو! کہ یہ دین دنیا کے انتہائی مشرقی کناروں سے لے کر انتہائی مغربی بلاد تک پھیل جائے گا۔ اور خدا کی قسم کوئی طاقت اس کا راستہ نہ روک سکے گی۔ جو اس دین کی اطاعت کا جُوا اتارنے کی کوشش کرے گا۔ سوائے اپنے نقصان کے اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔"

قبول اسلام کے بعد سہیل بن عمرو نے اپنی تمام تر توجہ جہاد فی سبیل اللہ اور عصبیت جاہلیہ کے خلاف جنگ کرنے پر مرکوز کر دی۔ تاریخ اسلام کا ایک واقعہ

ہم یہاں نقل کرتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کس درجہ پاک وصاف دل ودماغ کے مالک تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں قریش کے بڑے بڑے رؤسا اور شیوخ امیر المؤمنین سے ملنے آئے۔ ان میں ابو سفیان بن حرب عکرمہ بن ابی جہل حارث بن ہشام اور سہیل بن عمرو شامل تھے۔ اسی لمحہ کچھ اور لوگ بھی حضرت عمر فاروق سے ملنے کی خاطر آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں بلال حبشی سلیمان فارسی اور عمار ابن یاسر وغیرہ غلام شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان غلاموں کو جن کی تاریخ ساز قربانیوں نے اہل مظالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا اور جن کو حضور اکرمؐ نے جنّت کی بشارت دی تھی۔ اور جو اسلامی معاشرے میں غلام نہیں۔ بلکہ معزز سردار کا رتبہ حاصل کر چکے تھے رؤسائے قریش سے قبل ملاقات کے لئے بلا لیا سرداران قریش یہ دیکھ کر بہت تلملائے اور حضرت ابو سفیان نے تو اپنے دلی جذبات کو زبان بھی دے دی۔ اور کہا۔ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ (میں نے آج جیسی ذلت کبھی نہیں دیکھی) اس کے جواب میں حضرت سہیل نے فوراً کہا۔

لَا تَلُومُوا هُمْ وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ دُعِيَ الْقَوْمُ وَدُعِيتُمْ فَأَسْرَعُوا إِلَيْهِ وَأَبْطَأْتُمْ	ان کو ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ کو ملامت کرو انہیں بھی دعوت دی گئی تھی۔ اور تمہیں بھی دعوت دی گئی تھی پس وہ دعوت کی طرف تیزی سے نپکے۔ اور تم پیچھے رہ گئے۔
پھر فرمایا۔ أَيُّهَا الْقَوْمُ فَانْظُرُوا الْجِهَادَ وَالْزَمُوهُ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَرْزُقَكُمْ شَهَادَةً	یعنی اے قوم جہاد کی طرف توجہ دو۔ اور اسے اپنے اوپر لازم کر لو۔ شاید کہ اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کو شہادت کی نعمت سے نواز کر تلافی مافات کردے۔

یہ جذبہ دراصل اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایمان کی حلاوت کا مزہ نہ چکھ لیا جائے۔ اور جب تک کہ اللہ اور رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی ذات اور انا کو کلیتہً ختم نہ کر دیا جائے۔

حضرت سہیلؓ بن عمرو نے جیسا کہ اپنی قوم کو جہاد کی ترغیب دی تھی۔ آپ نے خود بھی اپنی باقی ماندہ زندگی جہاد کے لئے وقف کر دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں میدانِ جہاد میں شہادت کا رتبہ بھی بخشا۔ آپ روم کے خلاف مصروفِ پیکار فوجوں میں شامل ہو گئے۔ اور وہاں بہت سی لڑائیوں میں آپ نے کارہائے نمایاں سر انجام دیئے میدانِ جہاد میں بھی آپ بہت زیادہ وقت (رات کا) نماز میں گزارا کرتے تھے۔ اور نہایت خشوع و خضوع سے حضورِ ایزدی میں جبینِ نیاز جھکاتے تھے۔ انہیں اس بات کا اچھی طرح احساس ہو گیا تھا۔ کہ یہ ایک سجدہ انسان کو ہزار سجدوں سے نجات دلاتا ہے۔ اِس لئے یہ سجدہ ان پر کبھی گراں نہ گزرتا۔ نہ رزم میں نہ بزم میں۔

حضرت سہیلؓ بن عمرو کی شہادت کا واقعہ بھی تاریخ اسلام میں اپنی نوعیّت کا شاید منفرد واقعہ ہے۔ آپ کی شہادت جنگِ یرموک میں ہوئی تھی۔ وہ جنگ کہ جس نے سلطنتِ روم کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ ایک راوی بیان کرتے ہیں۔ کہ جنگِ یرموک میں مَیں زخمیوں کو پانی پلا رہا تھا۔ اچانک ایک زخمی نے پانی مانگا۔ مَیں بھاگ کر اس کے پاس گیا۔ تو وہ سہیل بن عمرو تھے۔ جو زخموں سے چور ہو کر گر گئے تھے۔ انہوں نے پیالہ اپنے منہ سے لگایا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ پانی کا گھونٹ بھریں۔ ایک اور زخمی کی آواز آئی اور اس نے پانی مانگا۔ سہیل بن عمرو نے وہ آواز سُن لی۔ اور بغیر پانی پیئے پیالہ اپنے لبوں سے ہٹا لیا۔ اور کہا۔ کہ پہلے میرے بھائی کو پانی پلایا جائے۔ یہ وہی سہیل تھے۔ جنہوں نے ابو جندل کو محض قبولِ اسلام کی پاداش میں بیڑیاں پہنا کر قید کر دیا تھا۔ نہیں یہ اسی گوشت پوست کا مگر ایک دوسرے دل و دماغ کا سہیل تھا۔ اس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔

پانی پلانے والے صحابی جب دوسرے آدمی کے پاس پہنچے۔ تو وہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ تھا۔ زخموں سے نڈھال پیاس کی شدّت سے بدحال۔ حضرت عکرمہؓ

نے بھی پیالہ منہ سے لگایا ہی تھا کہ ایک اور آواز آئی "پانی" انہوں نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا پہلے اس بھائی کو پانی پلاؤ۔ جب ساقی ان کے پاس پہنچا۔ تو عکرمہ کا حقیقی چچا ابو جہل کا بھائی حارث بن ہشام تھا۔ آپ نے بھی پانی کا پیالہ لبوں سے لگایا ہی تھا۔ کہ ایک اور آواز آئی۔ "پانی" انہوں نے بھی پانی پیئے بغیر ہی پیالہ ہونٹوں سے ہٹا لیا۔ اور کہا کہ پہلے اس بھائی کو پانی پلایا جائے۔ یوں ان سب مشتاقانِ ساغر وفا نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ اور اہل دنیا کے لئے اخوتِ اسلامی و محبتِ ایمانی کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے چشمِ فلک نے نہ اس سے قبل کبھی ایثار و قربانی کا ایسا نمونہ دیکھا تھا۔ اور نہ آیندہ اس کی توقع ہے۔ گوش زمین نے یہ داستان اپنی پوری حیات میں ایک ہی بار سُنی تھی۔ اور اس کا اعادہ شاید ممکن نہ ہو۔ شافی محشر ان شہیدان محبت کے لئے حوضِ کوثر پر جام بھرے منتظر ہوں گے اور اللہ کے فضل سے ان کو ایسی سیرابی حاصل ہوئی ہو گی جس کے بعد پیاس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا حضرت سہیلؓ نے اپنی قوم کو شہادت کی آرزو پیدا کرنے کا درس دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس شہادت کے مقام بلند پر سرفراز فرما دیا۔

حضرت سہیلؓ نے اپنے تمام اہل و عیال کو میدان جہاد میں لا کر پیش کر دیا تھا اور ان تمام نے ہی میدان میں جام شہادت نوش کیا۔ ان میں سے بعض تو دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور بعض طاعون کی بیماری میں مبتلا ہو کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ اور شہدا میں شمار ہوئے۔ حضرت سہیل بن عمرو کی صرف ایک لڑکی ہندہ بچ گئی تھی۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کی شادی حضرت عبد الرحمٰنؓ ابن حارث بن ہشام سے کر دی تھی۔ "رضی اللہ عنہم اجمعین"

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

حضرت اسامہ بن زیدؓ

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو برابر پیدا کیا۔ اور کسی کو کسی دوسرے پر محض خاندان، علاقہ یا رنگ کی بنیاد پر کوئی فضیلت نہیں دی۔ معاشرتی انصاف کی مثال دنیا کی تاریخ میں ڈھونڈ لیجئے۔ آپ کو سوائے اسلام کے کہیں نہ ملے گی۔ یہ وہ اعلیٰ ترین نظامِ حیات ہے۔ جس میں غلام اور آقا کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ آج کا ہمارا یہ مضمون ایک ایسی ہستی کے حالات پر مشتمل ہے۔ جسے ظاہر بینوں نے ایک غلام کا بیٹا سمجھا۔ مگر شاہِ دوجہاں نے اسے وہ بلند مقام عطا کیا۔ کہ بڑے بڑے رؤسا رشک کرتے رہے۔

یہ عظیم شخصیت حضرت اسامہؓ بن زید کی ہے۔

حضرت اسامہ کے والد زیدؓ بن حارثہ غلام کی حیثیت سے مکہ آئے اور فروخت ہوئے۔ حضرت خدیجہ نے انہیں خرید لیا۔ اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ آزاد کرنے کے بعد اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کی شادی بھی کر دی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۂ احزاب میں موجود ہے۔ زید بن حارثہ کے حالات میں مزید واقعات بیان کئے جا چکے ہیں۔

حضرت اُسامہ آنحضور کی بعثت کے بعد ساتویں سال مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد زید بن حارثہ پہلے چار مسلمانوں میں شامل ہیں۔ باقی یہ ہیں۔ (۱) ابوبکر صدیق۔ (۲) حضرت خدیجہ (۳) حضرت علی۔ اُسامہ کی والدہ اُمِ ایمن حضور اکرمؐ کی

آزاد کردہ تھیں۔ اور انہوں نے بھی بالکل ابتدائی دنوں میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ گویا اُسامہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی۔ وہ مکمل طور پر اسلامی ماحول تھا۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں ہی آنحضورؐ کو بہت محبوب تھے۔ اور جب اُسامہ پیدا ہوئے تو حضورؐ کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ ان سے بھی بڑا پیار کرتے تھے۔ بعض تاریخوں میں آتا ہے۔ کہ آنحضورؐ حضرت اُسامہ کو اپنے شانوں پہ بٹھا کر پیار کیا کرتے تھے۔ یہ بھی مرقوم ہے۔ کہ حضور اکرمؐ کئی بار حضرت حسنؓ کو ایک زانو پر اور حضرت اسامہؓ کو دوسرے زانو پہ بٹھا لیتے تھے۔ اور کہا کرتے۔ "اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں۔ تو بھی انہیں محبوب رکھ۔"

امام حاکم نے اپنی مُستدرک میں حضرت ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا۔ "اسامہ مجھ کو سب لوگوں میں عزیز تر ہے" ذرا ملاحظہ کیجئے۔ خدا کے آخری نبیؐ کس طرح مکہ کے گلی کوچوں میں فروخت ہونے والے ایک غلام اور اس کی اولاد کو شرفِ فضیلت بخش رہے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے ایک بار یہ بھی فرمایا۔ کہ اس کا باپ مجھ کو سب سے محبوب تھا۔ اب یہ سب سے پیارا ہے۔

حضور اکرمؐ اسامہ کو اپنے اہل بیت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ ایک بار اُسامہ آپؐ کے گھر میں بیٹھے تھے۔ ابھی بچے ہی تھے۔ حضورؐ ان سے پیار کر رہے تھے۔ پھر کہنے لگے۔ "اگر اُسامہ بیٹی ہوتا۔ تو ہم اِسے خوب زیور پہناتے۔ بناؤ سنگار کرتے اور اس کا چرچا دور تک ہوتا۔ پھر ہر طرف سے ہمارے پاس پیغام آتے۔" یہ حضور اکرمؐ کی عام عادت تھی کہ اپنے احباب سے مزاح فرمایا کرتے۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ پر منافقین اور بعض مسلمانوں نے تہمت لگائی۔ تو حضور اکرمؐ نے صحابہ سے اس مسئلے پر مشورہ کیا۔ ان صحابہ میں حضرت اُسامہ بھی شامل تھے۔ حالانکہ ان کی عمر ابھی بہت کم تھی۔

حضور اکرمؐ کی خدمت میں صحابہؓ کو جب کبھی کوئی گزارش پیش کرنی ہوتی۔ تو وہ عموماً حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کرتے اور وہ آنحضورؐ کو صحابہؓ کی درخواست پہنچا دیتیں۔ لیکن بعض مواقع پر حضرت عائشہؓ بھی جرأت نہ کرتیں۔ تو یہ خدمت اُسامہؓ کے سپرد ہوتی۔ چنانچہ بڑا مشہور واقعہ ہے۔ کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی۔ اس کی سفارش کے لئے صحابہؓ نے اُسامہؓ کو بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ واضح رہے۔ کہ آنحضورؐ سفارش قبول کر لیا کرتے تھے۔ لیکن صرف ان معاملات میں جہاں قانونِ خداوندی کی کوئی شق نہ ٹوٹتی ہو۔ چنانچہ اس واقعہ پر حضور اکرمؐ نے سفارش کو ردّ کرتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرتیں تو میں ان کے ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔"

پھر فرمایا: تم سے پہلے لوگ اِسی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ کہ انہوں نے قوانینِ خداوندی میں ردّ و بدل کر دیا تھا۔ وہ بڑے لوگوں کے لئے اور قوانین بناتے تھے۔ اور چھوٹے لوگوں کے لئے دوسرے قوانین پر عمل کرتے تھے۔"

حضور اکرمؐ کے پاس جب کوئی اچھی چیز آتی۔ تو آپؐ حضرت اُسامہ کو تحفہ میں دے دیتے۔ ذی یزن نے یمن سے آپ کو ایک بیش قیمت حُلّہ ہدیہ میں بھیجا آپؐ نے فرمایا: "میں مُشرک کا ہدیّہ قبول نہیں کرتا۔ لیکن یہ آگیا ہے۔ اس لئے اِسے قیمتاً خرید لیتا ہوں"۔ یہ حُلّہ پچاس دینار میں خرید کر اُسامہ کو دے دیا۔

اُسامہؓ کی تعلیم و تربیّت میں حضور اکرمؐ نے ذاتی دلچسپی لی۔ وہ ہر وقت خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے۔ سفر میں بھی ہم رکاب ہوتے۔ آنحضورؐ کو وضو وغیرہ کرانے کی خدمت بھی سر انجام دیا کرتے تھے۔

غزوات ابتدائی جنگوں میں تو حضرت اُسامہ بالکل کم سِن تھے۔ اِس لئے شرکت

نہ کر سکے۔ سب سے پہلی جنگ جس میں ان کی شمولیت کا ذکر ملتا ہے۔ وہ سریہ حرقہ ہے۔ اس میں اُسامہ نے اسلامی فوجوں کی کمان کی۔ اسی جنگ میں ایک واقعہ پیش آیا جس پر حضرت اُسامہ عمر بھر کفِ افسوس ملتے رہے۔ وہ واقعہ ان کی زبانی سنیئے اس واقعہ کے وقت ان کی عمر بمشکل ۱۴ یا ۱۵ سال ہو گی۔ "آنحضرتؐ نے ہمیں حرقہ کی جانب بھیجا تھا۔ صبح دم دشمنوں سے مقابلہ ہوا۔ دشمن ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلا۔ ہم نے تعاقب کیا۔ مَیں ایک انصاری مسلمان کے ساتھ ایک سخت جان دشمن کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ جوں ہی ہم اس کے سر پر پہنچے۔ وہ رُک گیا۔ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے لگا۔ یہ سُن کر انصاری صحابی نے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن میں نے اپنے نیزے سے اس کا کام تمام کر دیا۔ جب ہم واپس مدینہ آئے۔ اور آنحضور کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو مجھے فرمایا۔ "تُو نے کلمہ گو کا گلا کاٹ دیا" مَیں نے عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! وہ شخص محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھ رہا تھا۔ یہ سُن کر آپ کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا۔ اور آپؐ نے پُر جلال لہجے میں کہا۔ هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ "کیا تو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا" اُسامہ کہتے ہیں۔ آنحضورؐ نے یہ فقرہ اتنی بار دھرایا۔ کہ مَیں نے دل میں کہا۔ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہُوا ہوتا۔"

جو لوگ خونِ مسلم کو اتنا ارزاں سمجھتے ہیں کہ جب جی چاہا حملہ کر دیا اور اس کی جان لے لی۔ انہیں ذرا اس واقعہ کو ذہن میں تازہ کرنا چاہیئے۔ آج پوری دنیا میں مسلمان ہی مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے تعلیمات نبوی بالکل فراموش کر دی گئی ہیں۔

فتح مکہ فتح مکہ کے موقع پر حضرت اُسامہ کی شانِ رفیع قابلِ دید تھی۔ آنحضور نے اپنی سواری پر انہیں اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ خانہ کعبہ میں جب داخل ہوئے۔ تو اس وقت بھی عجیب شان تھی۔ آنحضور کے ساتھ اسامہ۔ بلالؓ اور عثمان بن طلحہؓ

تھے۔ یہ چاروں خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ اور خانہ کعبہ کا دروازہ بند کر لیا گیا
ان کے بعد اس موقع پر کوئی دوسرا خانہ کعبہ کے اندر داخل نہ ہو سکا۔

شہدائے موتہ کا انتقام | جنگِ موتہ میں مسلمانوں نے شامی فوجوں کو زبردست شکست دی تھی۔ اس جنگ میں حضرت زید بن حارثہ۔ حضرت جعفر طیار اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ حضورؐ نے ان شہدا کے خون کا بدلہ لینے نیز شامی حکومت کے حوصلے پست کرنے کے لیئے ایک فوج تیار کی۔ اس فوج کی کمان نوجوان اُسامہ کے ہاتھ میں تھی۔ اور حضرت عمر فاروقؓ اور ابو عبیدہ ابن الجراحؓ جیسے بزرگ اس میں شامل تھے۔ حضور اکرمؐ اس فوج کی تیاری کے وقت سخت بیمار تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت اُسامہ کی امارت پر چہ میگوئیاں کیں۔ تو حضورؐ بیماری کی حالت میں مسجد میں تشریف لائے۔ منبر پر چڑھے۔ اور تقریر فرمائی۔ "مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ کچھ لوگوں نے اُسامہ کی قیادت پر اعتراض کیا ہے اس سے پہلے بعض لوگ اس کے باپ کی افسری پر بھی معترض ہوئے تھے۔ خدا کی قسم اس کا باپ بھی اس منصب کا اہل تھا۔ اور یہ بھی اس کا اہل ہے۔ وہ بھی مجھے عزیز تھا۔ اور یہ بھی محبوب ہے۔ تم اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کرو۔ یہ تمہارے بہترین افراد میں سے ہے۔"

لشکرِ اُسامہ ابھی مدینہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ کہ آنحضور علیہ السّلام کی وفات کی خبر ملی۔ حضرت اُسامہ۔ عمر فاروق اور ابو عبیدہ ابن الجرّاح نے باہمی مشورے سے واپسی کا پروگرام بنایا۔ اور مدینہ چلے آئے۔ آنحضور کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ حضرت اُسامہؓ ان صحابہ میں شامل تھے۔ جنہوں نے جسدِ اطہر کو قبر میں اتارا۔

حضورؐ کی وفات کے بعد کچھ لوگوں نے ابو بکر صدیقؓ سے کہا۔ کہ اُسامہؓ کی جگہ کسی پختہ کار اور جہاندیدہ آدمی کو سپہ سالار مقرر کیا جائے۔ خود حضرت اُسامہ نے بھی

درخواست کی کہ میری بجائے کسی بزرگ صحابی کو کمانڈر بنایا جائے۔ لیکن حضرت ابو بکر نے کسی کی نہ مانی اور کہا۔ جسے حضور نے سالار بنایا۔ اسے میں معزول نہیں کر سکتا۔ پھر اسامہ سے کہا "اگر اجازت ہو۔ تو عمر فاروق کو مدینہ میں مشاورت کے لئے رکھ لوں" حضرت اُسامہ نے اجازت دے دی۔ صدیق اکبر اس لشکر کو رخصت کرنے کے لئے مدینے سے نکلے۔ اُسامہ گھوڑے پر سوار تھے۔ اور صدیق اکبرؓ پیدل چل رہے تھے۔ ضروری ہدایات دی جا رہی تھیں۔ حضرت اُسامہ نے گھوڑے سے اترنا چاہا تو صدیق اکبر نے فرمایا "نہیں تم گھوڑے پر سوار رہو۔ اور میرے پاؤں راہِ خدا میں غبار آلود ہونے دو"۔

اُسامہ نے دشمن کو زبردست شکست دی۔ ان کے ہزاروں جوانمردوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور اپنے والد کے قاتل کو اپنے ہاتھ سے واصل جہنم کیا۔ فتح کا مژدہ مدینہ منورہ پہنچایا اور فوج کے ساتھ واپسی کے لئے رختِ سفر باندھ لیا۔

مدینہ میں شاندار استقبال خلیفۂ اوّل نے فتح کی خوشخبری سنتے ہی تمام مسلمانوں کو جمع کیا۔ اور جنگ میں فتح کی خبر سنائی۔ وہ بڑی بے تابی سے اس فوج کے منتظر تھے۔ جس نے پُر فتن دور میں مدینہ سے سینکڑوں میل دور جا کر ایک منظم حکومت کی کمر توڑ دی تھی۔ اور اس کی قوت کا نشہ ہرن کر دیا تھا۔ اُسامہ کی آمد کے موقع پر حضرت صدیق مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار کو لے کر شہر سے باہر نکلے۔ اور فاتح لشکر کا استقبال کیا۔ اُسامہ بڑی شان و شوکت سے مدینے میں داخل ہوئے ان کے آگے بریدہ بن حُصیب پرچم لہرا رہے تھے۔ اور یہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ مدینہ آتے ہی مسجد نبوی میں گئے۔ اور طریقۂ مسنونہ کے مطابق دو رکعت نفل ادا کئے۔ روضۂ محبوبؐ پر حاضری دی۔ آنسوؤں کا ہدیہ پیش کیا۔ اور اس کے بعد گھر میں داخل ہوئے۔

آپ فاروقِ اعظم کے دور میں بھی بڑی نمایاں خدمات سرانجام دیتے رہے
اکثر جنگی مہمات میں پیش پیش رہے۔ حضرت عمر کو ان لوگوں سے بڑی محبت ہوا
کرتی تھی۔ جو حضورؐ کے محبوب رہے ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہدِ خلافت
میں حضرت اُسامہ کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرّر کیا۔ اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ
بن عمر کا ڈھائی ہزار ابن عمر نے اپنے والد سے شکایت کی، اور کہا۔ کہ میں ہمیشہ اُسامہ کے ساتھ
ہر مہم میں شریک رہا ہوں۔ پھر یہ تفاوت کیوں؟ اس پر فاروق اعظم نے جواب دیا
بیٹے! وہ حضور اکرمؐ کو تم سے زیادہ عزیز تھا۔ اور اس کا باپ تمہارے باپ سے
زیادہ پیارا تھا۔ یہ سُن کر عبداللہ ابن عمرؓ خاموش ہو گئے۔ ان واقعات کے بعد بھی
کوئی یہ کہے۔ کہ عدل و انصاف اور معاشرتی و معاشی مساوات کے لئے ہمیں اسلام
کے علاوہ کسی "ازم" کی ضرورت ہے تو ایسے شخص کی عقل پر رونے کے سوا کیا کیا جا سکتا ہے
حضرت عثمانؓ بن عفان کے دور میں اُسامہ اصحاب رائے میں شمار ہوتے تھے
جب آپ کے آخری دور میں مدینے میں فتنے بازوں نے اُودھم مچایا۔ اور تمام صحابہ اصلاحِ
احوال کی کوششوں میں مصروف ہوئے۔ تو حضرت اُسامہ نے بھی جناب ذوالنّورین سے
ملاقاتیں کر کے انہیں صورت حال سے مطلع کیا۔ اور حالات کو قابو میں لانے کے لئے
تجاویز پیش کیں۔ لیکن بدقسمتی سے حالات دن بدن خراب ہوتے چلے گئے۔ اور خلیفۂ راشد
کو فسادیوں نے ان کے گھر میں مدینۃ الرسول میں نہایت بیدردی سے شہید کر دیا۔
حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں اسامہ نے آپ کی بیعت تو کر لی تھی۔
لیکن حضرت علی اور امیر معاویہ کی جنگوں سے کنارہ کش رہے۔ ایک بار حضرت علیؓ
کے پاس پیغام بھیجا۔ "اگر آپ شیر کی داڑھ میں گھستے۔ تو میں بخوشی آپ کے ساتھ ہوتا
لیکن ان جنگوں میں جہاں دونوں طرف مسلمان ہوں میں حصّہ نہیں لینا چاہتا۔"
اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے۔ کہ حضرت اُسامہ حضرت

علی کو حق پر سمجھتے تھے لیکن صرف زمانہ جنگی سے بچنے کے لئے غیر جانب دار ہو گئے تھے۔ بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ آخر میں حضرت اُسامہ کو اس غیر جانبداری پر سخت ندامت اور افسوس ہوا۔ اور اپنے ملنے والوں سے کہا کرتے۔ "کاش میں نے حضرت علی کا ساتھ دیا ہوتا حق ان کی جانب تھا۔ اور ان کے مخالفین باطل پہ تھے"۔ استیعاب کی روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ حضرت اسامہ نے اس غیر جانب داری پر اللہ سے معافی مانگی اور عرصے تک توبہ کرتے رہے۔

حضرت اُسامہ نے امیر معاویہ کے دور میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔ آخری عمر میں بھی حضور کی سنت پر سختی سے کاربند رہے۔ شنبہ اور پنج شنبہ کا روزہ لازمی رکھتے تھے۔ ایک بار کسی نے کہا۔ اس ضعیف العمری میں اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو۔ تو فرمانے لگے "حضور ان روزوں کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ میں ان کی پابندی کیوں نہ کروں"۔ یہ دراصل وہ سچا عشق تھا۔ جو آپ کو ہادی اعظم کے ہر عمل کی پیروی پر آمادہ کرتا تھا۔

صحابہ کرامؓ آپ کے پاس فتوے پوچھنے کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کو حضور اکرمؐ کے پاس تربیت حاصل کرنے کا زریں موقع ملا تھا۔ اور حضورؐ کے اکثر اقوال آپ کو یاد تھے ایک بار جب طاعون پھیلا۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص کو اس کے بارے میں کوئی حکم کہیں سے نہ مل سکا۔ آخر انہوں نے جناب اُسامہ سے پوچھا۔ اُسامہ نے جواب دیا "آنحضور فرماتے تھے "کہ ایک قسم کا عذاب ہے یہ عذاب بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا۔ اس لئے جب تم سنو کہ کسی علاقے میں یہ وبا پھیل گیا ہے۔ تو اس علاقے میں مت جاؤ۔ لیکن اگر تمہارے علاقے میں یہ بیماری پھیل جائے۔ تو مت بھاگو"۔

حضرت سلمان فارسیؓ

دنیا میں انسان تنہائی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے عالم
میں بے شمار وابستگیاں باعثِ تسکین ہوتی ہے۔ ان وابستگیوں میں خونی
بھی شامل ہیں۔ اور دوسرے روابط بھی۔ ماں باپ اور بہن بھائی انسان کے
بہت ہی زیادہ موجبِ کشش سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات انسانی
کے کچھ ارکان ان تمام چیزوں کو کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کی خاطر قربان کر دیتے
حضرت سلمان فارسیؓ بھی ان میں سے ایک تھے۔

حضرت سلمان فارسیؓ جیسا کہ ان کے نام سے واضح ہے۔ ایران کے
والے تھے۔ آپ کے والد آتش پرست تھے۔ اور یہ آبائی مذہب انہیں
میں ملا تھا۔ حضرت سلمان کا مجوسی نام "مابہ" تھا۔ اصفہان کے ایک قصبہ جی
رہتے تھے۔ اور خاندانی پیشہ کاشتکاری تھا۔ یہ آتش پرست "مابہ" جب حلقہ
اسلام ہوا۔ تو اس کے ہادی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کا نام سلمان رکھ دیا
اور خیر کے کاموں میں سلمانؓ کا انہماک اس قدر زیادہ تھا کہ بارگاہ رسالتمآب
سے "سلمان الخیر" کا لقب مرحمت ہوا۔

اسلام کا یہ دلدادہ آتش پرستی سے دینِ حق تک کیسے پہنچا؟ یہ ایک
سبق آموز اور دلچسپ داستان ہے۔

حضرت سلمان کے والد بُوذخشان "مجوسیوں کے ایک بہت بڑے
قائد تھے۔ ان کی بستی کے تمام لوگ ان کی مذہبی خدمات کے معترف تھے

ے سلمان سے باپ کو اس قدر محبّت تھی کہ انہیں کبھی گھر سے نکلنے نہیں
نا تھا۔ انہیں پردے میں رکھا جاتا۔ اور صنفِ نازک کی طرح انہیں زیورا
ں پہنائے جاتے۔ سلمان طبعاً مذہب کی طرف مائل تھے۔ ان کی مذہب دوستی
جہ سے ان کا باپ اور بھی زیادہ ان سے محبّت رکھتا تھا۔ سلمان مذہبی رسوم
ہرمن دیزداں کی عبادت میں اس توجّہ اور جذب و شوق سے منہمک ہوئے
میں آتش پرستوں کا ایک مثالی عبادت گزار سمجھا جانے لگا۔ سلمان نے
ں پورے دور میں "مابہ" تھے) جب نفس کشی کا عزم کیا۔ تو مذہبی رہنماؤں نے
ں سخت قسم کے مجاہدات کی تعلیم دی، جن پر وہ پابندی سے عمل پیرا ہو گئے
کسی کو معلوم نہ تھا۔ کہ قدرت نے انہیں ایثار و خلوص کی جو گراں مایہ
ت ودیعت کر رکھی تھی۔ اس کو بالآخر اسلام کی خدمت کے لئے وقف کیا جانا
اسلام کی طرف ان کا سفر بڑا کٹھن اور پُر صعوبت تھا۔ لیکن آفرین ہے اس
بلند کی بلند نظری پر جس نے راستے میں کھڑے ہوئے رکاوٹوں کے پہاڑ
ی ٹھوکروں سے چُورہ چُورہ کر دیئے۔ اور منزل مقصود سے بغل گیر ہونے
کامیاب ہو گیا۔

سردار جو تم نے باپ دادا کا مذہب چھوڑا

بوذخشان کا ذریعہ معاش کاشتکاری
۔ وہ زمینوں کی نگرانی خود کیا کرتے تھے۔ ایک دن گھر میں کوئی ضروری کام
جس کی وجہ سے وہ کھیتوں پر نہ جا سکے۔ انہوں نے اپنے جواں سال بیٹے سلمان
یتوں کی دیکھ بھال کے لئے بھیج دیا۔ سلمان جو زمین کے کھیتوں سے زیادہ دل
یتی سینچنے کا فکر مند تھا۔ اپنی زمینوں تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ راستے ہی میں کھو گیا۔
ہوں کہ راستے میں ایک جگہ کچھ لوگ جمع تھے۔ اور گھنٹیاں بج رہی تھیں سلمان
ایک آدمی سے پوچھا۔ کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ جواب ملا "یہ گرجا ہے۔ یہاں خدا کے

یسوع مسیح کی عبادت کی جارہی ہے"۔

حضرت سلمان گرجا کے اندر گئے۔ پادری کا درس سُنا۔ عبادت
منظر دیکھا۔ دل میں کہا۔ یہ مذہب آتش پرستی سے بہتر ہے۔ پادری
"تمہارے مذہب کا مرکز کہاں ہے"؟ جواب ملا"شام میں" سلمان نے
زیارت کرنے کا شوق ظاہر کیا۔ تو پادری نے وعدہ کیا۔ کہ جوں ہی شام
والا کوئی قافلہ آئے گا سلمان کو اطلاع دی جائے گی۔

شام کے وقت "مابہ" گھر آیا۔ تو والد نے پوچھا۔ کھیتوں کا کیا حال
نے جواب دیا"میں ایک گرجا میں چلا گیا تھا۔ اور پورا دن وہاں صرف کر دیا"
سے ایک بڑا اچھا مذہب مل گیا ہے"۔ باپ نے یہ سنا تو آگ بگولا ہو گیا
خوب پیٹا اور کہا"خبردار! جو تم نے باپ دادا کا مذہب چھوڑا۔ جس نئے
کر رہے ہو۔ وہ تو ہمارے دین کا پاسنگ بھی نہیں"۔

بیٹے نے فوراً کہا: "نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مذہب آتش
ہزار درجہ بہتر ہے"۔ باپ نے بھانپ لیا۔ کہ بیٹا عیسائیت کو ذہنی طور پر قبول
اس لئے اُسے گھر میں قید کر دیا۔ کہ کسی سے اس کی ملاقات تک نہ ہو سکے

اسی دوران میں ایک قافلہ شام کو جانے کے لئے رہا ہی آکر
عیسائیوں نے کسی نہ کسی طرح سلمان کو قید میں ہی اس کی اطلاع دے
اس طرح قید سے نکلے۔ کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔ اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے
شام کی راہ پر قافلہ کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ ان کے باپ اور خاندان
افراد نے بہت تلاش کیا۔ مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ سلمان شام پہنچ چکے تھے۔

دو بشپ —— دو کردار | شام پہنچ کر سلمان نے بشپ سے ملاقا
ساری کہانی سنائی۔ اور آخر میں درخواست کی۔ کہ مجھے عیسائیت بہ

...ے۔ اس کی تعلیم دیجیئے۔ بشپ نے درخواست مان لی۔ اور کہا" تم میرے
...۔ اور علم دین حاصل کرتے رہو۔"

سلمان اب آتش پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ بشپ کی
...سے انہیں بڑی قلبی تسکین ملتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ انہیں بشپ کے ذاتی اعمال
...علم ہونے لگا۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ بشپ انتہا درجے کا فاسق اور بد کردار
...ہے۔ حرص و طمع کا وہ پیکر تھا۔ گرجا میں مخیر حضرات یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں
...ئے جو خیراتی فنڈ دیا کرتے تھے۔ بشپ اسے خود ہضم کر جایا کرتا تھا۔ سونا اور
اس کی کمزوری بن چکی تھی۔ بظاہر اسے دنیا سے کوئی غرض نہ تھی۔ لیکن
بحقیقت وہ دنیا کا پجاری تھا۔ سلمان کے لیئے یہ بات حد درجہ ذہنی اذیت
...ث تھی۔ وہ ہر وقت کڑھتے رہتے تھے۔ لیکن کبھی کسی کے سامنے سوء
...کا تذکرہ کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ اتفاق سے چند دنوں بعد بشپ بیمار
...مر گیا۔ اس کی آخری رسومات ادا کرنے کے لیئے بڑا اہتمام کیا گیا گرجے
...یاں وقفوں وقفوں سے نہایت اداس اور دھیمی آواز دل سے بج رہی
...سلمان نے حاضرین کو بتایا۔ کہ بشپ کی حقیقت کیا تھی۔ لوگ اُن کی
...ن کر چکرا گئے۔ اور قریب تھا۔ کہ سلمان پر ٹوٹ پڑتے لیکن سلمان اُن
...نے ساتھ بشپ کے ذاتی حجرے میں لے گئے۔ اور ایک جگہ سے وہ مٹکے
...ر لوگوں کے سامنے رکھ دیئے۔ جن میں بشپ نے سیم و زر کے ڈھیر جمع
...ئے تھے۔ یہی سیم و زر گرجے کی رپورٹ میں بیکسوں اور غریبوں کے درمیان
...یا جا چکا تھا۔ حقیقت حال کھلنے کے بعد لوگوں نے لاش کو سُولی پر چڑھا
...ر پھر اُسے سنگسار کر دیا۔

پرانے بشپ کی جگہ اب ایک نیا بشپ مقرر کیا گیا۔ یہ نہایت پاکیزہ سیرت

اور عابد و زاہد آدمی تھا۔ سلمان اس کی سیرت سے بہت متاثر ہوئے
بھی سلمان کو بڑی شفقت سے مذہبی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کیا لیکن
کے بعد یہ بشپ بھی بیمار پڑا اور اس کا آخری وقت آگیا۔ سلمان اس کے س
گیا۔ سلمان نے نہایت ادب سے سوال کیا: آپ کا وقت آخری ہے۔ میں
سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ لیکن ابھی مجھے بہت کچھ حاصل کرنے کی ض
ہے۔ اس لئے اب آپ مجھے کیا ہدایت کرتے ہیں؟

بشپ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا: "میرے بیٹے! اس وقت
عیسائیت کے سچے پیروکار اٹھ چکے ہیں۔ مصنوعی عیسائیوں سے دنیا بھر
ہے۔ سچے مسیحی خال خال رہ گئے ہیں۔ تم کو میری وصیت ہے۔ کہ م
فلاں پادری کے پاس چلے جانا۔"

تلاشِ حق ــــ منزل بہ منزل اس مخلص و دیندار بشپ کی وفات اور
کے بعد سلمان نے موصل کے لئے رختِ سفر باندھا۔ جہاں ایک حق بین و حق
مرد قلندر نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ موصل کا سفر شوق و محبت سے طے
ہوئے حق کا متلاشی منزل پہ پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر پادری سے ملاقات کی
شامی بشپ کی وفات اور آخری وصیت کا پیغام سنایا۔ بشپ کی وفات کی
سن کر پادری نے سرد آہ بھری اور کہا، دنیا میں دینِ مسیح کے سچے پیروکار
چار رہے ہیں۔ ع "اک شمع اور بجھی اور بڑھی تاریکی"۔ یہ پادری بھی بڑا اص
کردار اور پاکباز تھا۔ لیکن قدرت شاید تلاشِ حق میں کچھ نئی منزلوں تک
چاہتی تھی۔ اس لئے اتفاق سے چند دنوں بعد یہ پادری بھی دنیا سے رخصت
گیا۔ سلمان اس کی آخری وصیت کے مطابق نصیبین کے ایک پادری کے سا
کر زانوئے تلمذ تہہ کریں۔ سلمان نے اب نصیبین کا رخ کیا۔ اس شہر میں پہنچ کر

ی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا مدعا بیان کیا۔ پادری نہایت نیک و متقی
ان تھا۔ اس نے سلمان کی داستانِ حیات سُنی۔ اور دل بھر آیا۔ حق کی تلاش میں سلمان
بڑ عظیم قربانیاں دی تھیں۔ ان کی قدر دانی کے پیشِ نظر سلمان کا چہرہ چوم لیا۔ اور
ے اپنے پاس شاگرد کے طور پر رکھ لیا۔ اِس شہر میں بھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ
ن کو پھر ایک نئے سفر کے لئے تیاری کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ آدمی بھی داعیِ اجل کو
ے کہہ گیا۔ سلمان کے لیے اس کے آخری کلمات یہ تھے "سچائی کی راہ بتانے والا
اسقف (اُسْ قُ فْ) عموریہ میں ہے۔ اس کے پاس ضرور جانا"

سلمان نے اب عموریہ کا رخ کیا۔ عموریہ پہنچ کر اسقفِ شہر کی خدمت میں
ری دی۔ اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ اس اسقف نے سلمان کی تعلیم و
ت اور تزکیۂ نفس کی جانب خاطر خواہ توجہ دی۔ یہاں سلمان نے بکریاں خرید لی
ں۔ دن کا اکثر حصہ وہ بکریاں چرانے میں گزارتے۔ اور رات کے وقت استاد
درس نذریں حاصل کرتے۔ اسقف بڑا عمر رسیدہ اور معمّر آدمی تھا۔ اتفاق
چند ہی مہینوں بعد اس کا بھی آخری وقت آن پہنچا۔ سلمان نے اس کے
منے خشمگیں آنکھوں اور گلوگیر لہجے میں سوال کیا "میرے آقا اب میں کس
پاس جاؤں؟" اُسقف نے پل بھر کے لئے آنکھیں کھولیں اور کہا: اب میں
ے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ آج دنیائے عیسائیت اہلِ حق سے خالی ہو گئی
ہے میں تمہیں کس کے پاس جانے کا مشورہ دوں۔ اب تم اس شخص کا انتظار کرو
یستان عرب سے اٹھے گا۔ دینِ ابراہیم کو زندہ کرے گا۔ کھجوروں والی زمین
طرف مہاجر ہو کر جائے گا۔ اس کی پہچان ان باتوں کے علاوہ ان علامات
ے ہو گی۔ (۱) وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ (۲) صدقہ کا مال اپنے لئے حرام سمجھے گا
) اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت ہو گی۔ اگر تم اس سے مل سکو

تو بہت خوش قسمت ہو گے۔"

مدینہ میں | اب سلمان انتظار کی گھڑیاں گننے لگے۔ وہ اس تلاش میں تھے۔ کہ کوئی قافلہ ریگستانِ عرب جانے والا مل جائے۔ تو وہ اس کے ساتھ ہو لیں۔ انہوں نے کچھ بکریاں خرید لی تھیں جنہیں وہ چرایا کرتے تھے۔ آخر کار انہیں ایک ایسا قافلہ مل گیا جو اُن کی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ سلمان نے ان سے کہا "یہ تمام بکریاں لے لو۔ اور اس کے عوض مجھے حجاز کی سرزمین پہ پہنچا دو"۔ اہل کارواں نے یہ سودا قبول کر لیا۔ سلمان نے تمام مویشی ان کے حوالے کئے۔ اور ساتھ ہو لئے۔ قافلے والوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر بدعہدی کی۔ اور سلمان کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یوں حق کی تلاش میں نکلنے والا یہ آزاد نوجوان غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ چند دنوں بعد یہودی کا چچازاد بھائی مدینہ سے آیا۔ اور اس نئے غلام کو خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔

مدینہ میں سلمان نے چاروں طرف کھجوریں دیکھیں تو اُسقُف کا آخری قول یاد آگیا۔ یہ وقت وہ تھا جب مکہ معظمہ میں آفتاب نبوّت ضیا پاشیاں کر رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلام قبول کرنے والوں کے لئے دورِ ابتلا شروع ہو چکا تھا۔ کچھ عرصے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔

سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے۔ آقا اور اس کا بھائی درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "ان اہلِ مدینہ کا بُرا ہو۔ انہوں نے کیا تماشا بنا رکھا ہے۔ قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ وہ مکہ سے آیا ہے۔ اور اس کا دعویٰ ہے۔ کہ وہ نبی ہے"۔

سلمان یہ سُن کر جلدی جلدی درخت سے نیچے اترے۔ اور پوچھا۔ "

بات کر رہے تھے آپ؟

آقا نے ڈانٹ کر کہا۔ "تمہیں اس سے کیا غرض۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔"
سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن جب کام کاج سے فارغ ہوئے تو
کچھ کھجوریں لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ اور کہا "یہ صدقہ کی کھجوریں
ہیں۔ انہیں قبول کر لیجئے۔"

حضورؐ نے وہ کھجوریں لے کر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ اور خود ان میں سے
کچھ نہ کھایا۔ دوسرے روز سلمان اپنے حصے کی کوئی اور چیز لے کر حاضر ہوئے
اور کہا "یہ ہدیہ ہے قبول فرمائیں۔"

آپ نے ہدیہ قبول کر لیا۔ خود بھی نوش فرمایا۔ اور حاضرین کو بھی کھلایا۔
دو علامتیں کھلے طور پر معلوم ہو چکی تھیں۔ اب مہرِ نبوت کی علامت دیکھنا
باقی تھی۔ وہ بھی آپ نے دیکھ لی۔ اور مُہرِ نبوت پر بوسہ دیا۔

حضورؐ نے فرمایا "سلمان میرے سامنے آؤ۔"

سلمان نے سامنے آکر حق کی تلاش میں اپنے ہر سفر کی رُوداد اور
اپنی ساری داستان بیان کر دی۔ حضورؐ کو یہ داستان اس قدر پسند آئی کہ صحابہؓ
کو سنوائی۔ سلمان حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

غلامی کے باعث آپ اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر تھے۔ جنگ بدر
اور اُحد میں بھی اسی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ حضورؐ کے توجہ دلانے پر حضرت
سلمان فارسیؓ نے اپنے یہودی مالک سے اپنی آزادی کا معاملہ طے کیا۔ اُن کی
آزادی کا معاوضہ کھجور کے تین سو درخت لگا کر دینا۔ اور چالیس اوقیہ سونا طے پایا۔
حضورؐ نے صحابہ کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ انہوں نے مل کر تین سو درخت لگا دیئے
سونے کا معاملہ اللہ نے یوں طے کر دیا ۔۔۔ کہ ایک جنگ سے حضورؐ کو سونے

کا ایک ٹکڑا ملا۔ اس کا وزن کیا گیا تو پورے چالیس اوقیہ کا نکلا۔ آنحضور نے سونے کا ٹکڑا سلمان کو دے دیا کہ اسے ادا کر کے پروانۂ آزادی حاصل کر لیں سلمان جو ایک آزاد و خود مختار آدمی تھا۔ غلامی کی بیڑیاں کاٹ کر اب پھر آزاد ہو گیا تھا۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد حضرت سلمان کی مواخاۃ حضور اکرمؐ کے حکم سے مشہور انصاری صحابی حضرت ابو درداؓ سے ہوئی۔

میدانِ جہاد میں | غزوہ بدر و اُحد میں سلمان مجبوراً شرکت نہ کر سکے تھے سب سے پہلی جنگ جس میں حضرت سلمان نے شرکت کی جنگِ خندق تھی اس جنگ کو جنگِ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ خندق کا نام سلمان ہی کا مرہونِ منّت ہے۔ یہ جنگ ۵ھ ہجری میں پیش آئی ابوسفیان جنگِ اُحد میں عارضی فتح حاصل کرنے کے بعد بہت مغرور ہو گیا تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل کو ساتھ ملا کر مدینہ کی جانب پیشقدمی شروع کر دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پتہ چلا۔ تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کی سکیم پیش کی۔ ان کے منصوبہ کے مطابق مدینہ کی حفاظت کے لئے اس کے ارد گرد خندق کھودی گئی۔ یہ چیز اہل عرب کے لئے بالکل نئی تھی۔ حملہ آور مدینے میں داخل نہ ہو سکے۔ کئی دن کے محاصرے کے بعد ایک روز سخت طوفان اور آندھی نے قریش کو البسا بدحواس کیا۔ کہ وہ محاصرہ اٹھا کر بھاگ نکلے۔

جنگ خندق کے بعد حضورؐ نے جتنی بھی جنگیں لڑیں۔ سلمانؓ فارسی ان میں شریک رہے۔ غزوۂ خیبر، غزوۂ تبوک، فتح مکہ اور جنگِ حُنین تمام معرکوں میں بڑی سرگرمی سے حصّہ لیتے رہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی جب تک زندہ رہے شریکِ جہاد رہے۔ ایران کی فتح میں ان کا حصّہ بہت گراں قدر ہے۔ وہ اس علاقہ

کے نشیب و فراز سے باخبر تھے۔ اکثر موقعوں پر انہوں نے اہل فارس کے سامنے اُن کی زبان میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔

حضرت سلمانؓ قبولِ اسلام کے بعد تمام تعصّبات سے بالکل پاک صاف ہو گئے تھے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی اسلام تھا۔

حضرت سلمان کی حق پرستی کی سب سے بلند مثال یہ ہے۔ کہ جب اُن سے کوئی پوچھتا کہ تمہارا نام و نسب کیا ہے۔ تو جواب دیتے:

"سلمان بن اسلام بن اسلام"۔

حضور اکرم علیہ السّلام سلمان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے چونکہ سلمانؓ نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اور عرب میں ان کے خاندان کا کوئی دوسرا آدمی نہ تھا۔ اِس لئے حضورؐ بکمالِ لطف و کرم فرمایا کرتے تھے:

"سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ" (سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں)

حضرت سلمان علم و عرفان کے سچے طالب تھے۔ ان کے دل کی گہرائیوں میں صداقت و حقیقت پا لینے کا جذبہ موجزن تھا۔ اپنی پوری جوانی سچائی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔ انہوں نے ہزاروں میل سفر کیا تاکہ نورِ مبین ان کے سینے کو منوّر کر سکے۔ وہ عیسائیت قبول کرنے کے بعد پادریوں کے ساتھ بڑی دلجمعی اور انہماک سے چمٹے رہتے۔ کہ ان سے علم کی روشنی مل سکے۔ اب جبکہ سلمان نے اسلام کی شمعِ فروزاں کو پا لیا تھا۔ اور دنیا کے سب سے بڑے رہنما کی رفاقت انہیں میسّر آ گئی تھی۔ تو بھلا وہ اپنی تشنگی کیوں نہ بجھاتے۔ وہ رات دن حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ اور سنہری اقوال اور زرّیں اصولوں سے اپنا دامن بھرتے رہتے حضور اکرمؐ اس جاں نثار کو خصوصی توجّہ سے تعلیم دیتے۔ عشا کی نماز کے بعد جب تمام صحابہؓ رخصت ہو جاتے۔ تو حضرت سلمان اس کے بعد بھی بہت دیر تک

خدمتِ نبوی میں حاضر رہتے حضرت ابو موسےٰ اشعریؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں جب یمن سے مدینہ آیا۔ تو عرصۂ دراز تک سلمانؓ کو خانوادہ نبوّت کا فرد سمجھتا رہا۔ کیونکہ وہ اکثر بارگاہ نبوی میں حاضر رہا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ بھی حضرت سلمان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے۔ جناب سلمانؓ کی پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر ایک بار سرورِ کونینؐ نے ارشاد فرمایا: "جنّت تین آدمیوں کے لئے بے قرار ہے۔ سلمانؓ، علیؓ اور عمّارؓ کے لئے۔"

ایک مرتبہ صدیقِ اکبر کسی معاملہ میں حضرت سلمانؓ سے ناراض ہوئے۔ حضورِ اکرمؐ کو پتہ چلا۔ تو جناب صدیقؓ سے فرمایا: "ابو بکر! تم نے اس شخص کو ناراض کیا۔ تو گویا خدا کو ناراض کیا۔" یہ سُن کر جناب صدیقؓ کانپ اٹھے۔ فوراً گئے اور سلمان سے معافی مانگ کر انہیں راضی کر لیا۔ حضورِ اکرمؐ کے اس ارشادِ مبارک سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلمان نے اپنے آپ کو اللہ کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور اللہ نے اس بندۂ خاص کو اپنا تقرّب بخش دیا تھا۔

حضرت سلمان کو علم کا بہت بڑا سمندر سمجھا جاتا تھا۔ حضورِ اکرمؐ نے اپنی زبانِ حق بیان سے ایک مرتبہ فرمایا: "سلمان تو علم سے لبریز ہے۔" خلیفۂ راشد امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ سے ایک بار جناب سلمان فارسیؓ کے علم کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو فرمایا: "انہیں اوّل و آخر ہر چیز کا علم تھا۔ وہ لقمانِ دوراں تھے۔ اور ہمارے اہلِ بیت میں سے تھے۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بہت بڑے عالم صحابی تھے۔ اور حضورؐ نے جن کے بارے میں فرمایا تھا۔ کہ حلال و حرام کی پہچان کے معاملے میں معاذ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے۔ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے: "سلمان سے علم حاصل کرو۔"

حضرت سلمانؓ کے حالات میں سادگی بہت نمایاں صفت نظر آتی ہے انہیں مال و دولت سے ہرگز کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ جس زمانے میں مدائن کے گورنر تھے۔ اور پانچ ہزار درہم ماہانہ تنخواہ لیتے تھے۔ اس وقت بھی ان کے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا تھا۔ اور اپنا کوئی مکان نہ تھا۔ اپنی تنخواہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے اور ایک پائی بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ اس سادہ روی کے باوجود آپ رہبانیت سے متنفّر تھے۔ ایک بار ان کے دینی بھائی حضرت ابو درداؓ کی بیوی نے اپنے خاوند کے ترکِ دنیا کی شکایت کی۔ تو بنفسِ نفیس ان کے پاس گئے۔ اور حضور اکرمؐ کی حدیث ان کے سامنے بیان کی۔ کہ انسان کے جسم اس کے اہل و عیال اور دیگر نوعِ آدم کے حقوق اس کے ذمہ ہیں۔ اور ان کے معاملے میں وہ مسئول ہوگا۔ ایک طرف رہبانیت سے گریز دوسری طرف ہوس پرستی سے پرہیز کس قدر متوازن طرزِ عمل ہے۔

حضرتِ عثمانؓ کے دورِ خلافت میں سلمان بیمار پڑے۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص عیادت کے لئے گئے۔ سلمانؓ نے فاتح ایران کو دیکھا۔ تو رونے لگے۔ سعدؓ نے پوچھا۔ "ابو عبداللہ! کیوں روتے ہو۔ اگر دنیا سے چلے گئے۔ تو حضور اکرمؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے ساتھیوں سے جنت میں ملاقات کرو گے۔ حضورؐ جب دنیا سے گئے تو تم سے خوش تھے۔"

فرمانے لگے۔ "موت سے تو کوئی ڈر نہیں۔ لیکن حضور اکرمؐ کو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔ کہ دنیا کا مال و اسباب ہم نے اپنے گرد جمع کر رکھا ہے۔"

سعدؓ کہتے ہیں۔ کہ جب میں نے ان کے سارے مال کا جائزہ لیا۔ تو صرف تین برتن تھے۔ اور ایک بڑی چادر تھی۔ جس سے بستر کا کام لیا کرتے تھے۔ اور اس سامان کو وہ سانپ کے نام سے پکار رہے تھے۔ دراصل سلمانؓ کی زندگی ان لوگوں کے لئے بھی نمونہ ہے۔ جو دنیا میں زیادہ مالی وسائل اور مادی آسائشیں حاصل نہیں کر

سکنے۔ اور ان کے لئے بھی جو بہت کچھ حاصل کر لینے کے باوجود ھَلْ مِنْ مَّزِیْد کے
راگ الاپتے رہتے ہیں۔ اوّل الذکر کے لئے ان کی کم مائگی پر سلمان کے حالاتِ زندگی
بہترین سامانِ تسلّی فراہم کرتے ہیں۔ اور آخر الذکر کے لیے عبرت کا مرقع بن کر سامنے
آتے ہیں۔ کہ تم لوگ کتنی ناپائیدار اور عارضی چیزوں پر خوش ہو رہے ہو۔ اور ان کی تمنّا
میں کبھی تم اپنی جان کو ہلکان کئے ڈالتے ہو۔ حالانکہ اصل مقام تو وہ ہے۔ جو اس چند
روزہ زندگی کے بعد شروع ہوگا۔ اور کبھی ختم نہ ہوگا۔

حضرت سلمانؓ کی اسی علالت کے دوران کئی اور صحابہ بھی آپ کے پاس آئے
اور کہا۔ کہ ہمیں وصیّت کیجیے۔ فرمایا: "کوئی بھی قدم اٹھاؤ اور کوئی بھی فیصلہ کرو اللہ
کو ہمیشہ یاد رکھو۔"

ایک اور موقع پر فرمایا۔ مومن کی موت اس حال میں آنی چاہیے۔ کہ وہ
حج کر رہا ہو۔ یا عمرہ کر رہا ہو۔ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو۔ یا محوِ جہاد ہو۔ اس کی موت
کبھی خیانت اور فسق و فجور کی حالت میں نہیں آنی چاہیئے۔

یہ نصیحت کتنی جامع ہے۔ موت کا تو کوئی وقت معیّن نہیں ہے۔ ہر وقت
اس کی توقع رکھنی چاہیئے۔ اور جب موت کا وقت معلوم نہیں۔ تو پھر بندۂ مومن کو
ایسی زندگی گزارنی چاہیئے۔ کہ اس میں خیانت اور فسق و فجور کا گزر تک نہ ہو۔ بلکہ
دین ہی کا تقاضا پورا کر رہا ہو۔

آخر وقت ہوا۔ تو مشک منگوایا۔ اپنے جسم پر اور گرد و نواح میں چھڑکوایا
اور تمام لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔

تھوڑی دیر بعد جب لوگ اس کے پاس آئے۔ تو اسلام کا یہ فرزند
خالقِ حقیقی سے جا ملا تھا۔

یہ ہیں حالات اس شخص کے جو صحیح معنوں میں ابنِ اسلام بن چکا تھا۔

حضرت محمد بن مسلمہؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ رشد و ہدایت مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں بلند ہوئی۔ تو چند انتہائی قیمتی ہیرے آپ کے دامن میں جمع ہو گئے۔ مگر یہ بھی امر واقعہ ہے۔ کہ مکہ میں حضورؐ کو زیادہ تر ایسے خزف ریزوں اور سنگ ہائے گراں سے واسطہ پڑا۔ جو ان درخشاں ہیروں سے یا تو ان کی چمک دمک چھین لینا چاہتے تھے یا ان کو پیس ڈالنا اپنی منزلِ مقصود جانتے تھے۔ جبکہ مدینہ کی زرخیز زمین میں حالات اس سے مختلف تھے۔ یہاں بھی بے آب و گیاہ چٹانوں کی کمی نہ تھی لیکن بہرحال دلکش مرغزار اور لہلہاتے گلزار اپنی تمام تر زیبائش و آرائش کا تحفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں چمکتے ہوئے ہیروں کی نذر کرنے کے لئے بے تاب سے تھے۔ اس بستی میں اب وہ آزمائش و ابتلا کی بھٹیاں نہ تھیں۔ جہاں مستانِ ساغرِ وفا کو جھونکا جاتا۔ یہاں محبت کا زمزمہ بہہ رہا تھا جس نے نفرت و عداوت کی لو کے تھپیڑوں کو بے وقعت اور غیر اہم بنا دیا تھا۔ یہ یثرب کی بستی تھی۔ جسے تا قیامت مدینۃ النبی (نبی کا شہر) کہلانے کا شرف ملنے والا تھا۔

جب دینِ حق نے دوستی اور دشمنی کے معیار بدل دیئے

ایسی بستی امن و سکون کا ایک سپوت آج ہماری گفتگو کا محور ہے۔ یہ ہمارے ہیرو محمد بن مسلمہ انصاریؓ اسی اس بستی کے فرزند اور بنو اوس کے انتہائی معزز فرد تھے۔ اوس کے متفقہ اور محبوب و مطاع سردار سعد بن معاذؓ کے خاندان بنو عبد الاشہل سے محمد بن مسلمہؓ کی خاندانی قرابت بھی تھی لیکن اس کے ساتھ ان کا آپس میں حلف بھی تھا۔ آپ

کے خاندان نے اوس اور خزرج کی باہمی خانہ جنگی میں اوس کی طرف سے حصہ ا
اور بہادری کے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان دونوں قبیل
نے خاندانی عصبیّت اور جاہلانہ رسوم کی وجہ سے سال ہا سال تک ایک دو
کا خون بہایا۔ اسلام کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے بعد ان کی حالت
بدل گئی۔ اب ان کی عداوت بھی ختم ہو چکی تھی۔ اور دوستی و دشمنی کے معیار بھی بد
چکے تھے۔ ان کی تلواریں اب ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کی بجائے ایک دوسر
کی جان کی حفاظت میں اٹھ رہی تھیں۔ اب ان کی دشمنی کسی اوسی اور خزرجی
نہ تھی۔ ان کی دشمنی باطل سے تھی۔ خواہ وہ ان کے گھر سے ہی سر کیوں نہ اٹھائے
قرآن مجید نے اسی امر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

(آل عمران)

"اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو۔ کہ ایک وقت میں تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (اسلام کی بدولت) تمہارے دل ایک دوسرے سے ملا دیئے۔ پس تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔"

یہ واقعہ نقل کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ کے متعلق یہ
معلوم رہے۔ کہ ان کا خاندان شروع سے جنگجو اور شمشیر زن تھا۔ مگر اسلام نے ان
کے مقصدِ جنگ کو بدل کر رکھ دیا۔ اور ان کی شجاعت و شمشیر زنی کو نہ صرف برقرار
رکھا۔ بلکہ اسے مقصدِ حیات سے آگاہ کر دیا۔

قبولِ اسلام | حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ نے سفیرِ اسلام معلّمِ قرآن حضرت مصعب
بن عمیرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے اپنے قبیلہ کے سردار سعد بن معاذ

پہلے قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ معاملہ حق کو قبول کرنے اور اس کا ساتھ دینے کا تھا۔ اس لیئے انہوں نے اس بات کا انتظار نہ کیا۔ کہ ان کا سردار کیا فیصلہ کرتا ہے۔ انہوں نے خود فیصلہ کیا۔ اور کس قدر صائب فیصلہ تھا اُن کا! اسلام اور خیر کی طرف بڑھنے میں وہ سبقت لے گئے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔۔ تانہ بخشند خدائے بخشندہ

حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے۔

سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْنُوا بِكُنْيَتِي ۔۔۔ یعنی میرے نام پر اپنے نام رکھو لیکن میری کنیّت اختیار نہ کرو۔"

حضورؐ کے صحابہ میں محمدؓ بن مسلمہؓ سب سے پہلے صحابی ہیں جن کا نام حضورؐ کے نام سے مطابقت رکھتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ اس جلیل القدر صحابی کا نام اس کے والدین نے قدرتاً پہلے ہی محمد رکھ دیا تھا۔

مکے اور مدینے کے بھائی مکہ سے مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اور مدینہ پہنچ کر مہاجرین اور انصار میں جس نوع کا بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ کی یہ بھی خوش قسمتی ہے۔ کہ ان کو ایک بہت عالی مرتبت مہاجر مسلمان کا بھائی بنایا گیا۔ ان دونوں بھائیوں میں ذہنی و فکری لحاظ سے بڑی مطابقت پائی جاتی تھی۔ ان کے یہ بھائی تھے امین الامّت حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ۔ دونوں بھائیوں نے تاریخ اسلامی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اور دونوں بھائیوں کو خلفائے راشدینؓ نے اپنا وزیر، مشیر اور فوجی جرنیل مقرر کیا۔ جس طرح مہاجرین میں جناب ابو عبیدہؓ کی طبیعت نہایت ٹھنڈی، اطوار پُر وقار اور گفت گو متین و سنجیدہ ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح انصار میں حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ انہی خصوصیات کے حامل تھے دونوں بھائی بہت شفیق اور نرم دل تھے۔ لیکن حق و باطل کی کشمکش میں ناقابلِ شکست چٹان تھے۔

تلوار بے نیام ہوتی ہے

حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ کفر و باطل کی تمام معرکہ آرائیوں میں برابر شریک رہے۔ اور کبھی سخت ترین حالات میں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ وہ ہر حال میں حضور اکرمؐ کے شانہ بشانہ دشمن سے برسرِ پیکار رہے۔ اور موت کو بار بار شکست دی۔ آپ نے حضور اکرمؐ کی زندگی میں تمام غزوات میں سوائے جنگِ تبوک کے شرکت فرمائی۔ (تبوک میں بھی اس وجہ سے شریک نہ ہو سکے کہ حضور اکرمؐ نے ان کو خود مدینہ کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ اس جنگ میں مدینہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور اکرمؐ کی طرف سے قائم مقام مقرر کئے گئے تھے اور حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ کے ذمے بھی انتظامی امور لگائے گئے تھے۔ اگر حضورؐ کا یہ حکم نہ ہوتا۔ تو آپ یقیناً تبوک کا سفر بڑے جوش و جذبے سے طے کرتے۔ اور صحرائے بے آب و گیاہ میں اپنی آبلہ پائی سے احساساتِ قلبی کا نمونہ پیش فرما دیتے)

بدر میں محمد بن مسلمہؓ نے اپنی جوانمردی کا سکہ منوایا۔ انہوں نے دشمن پر بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اُحد میں جب مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلنے لگی۔ تو لڑنے والے سراسیمگی کی حالت میں تتر بتر ہو گئے۔ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا۔ کہ مجاہدین سنبھل نہ سکے۔ ایسے وقت میں شمعِ رسالت کو بجھانے کی مذموم کوششیں زور پکڑ گئیں۔ لیکن پروانے شمع کے گرد پرا باندھ کر سینوں پر وار کھاتے رہے۔ محمدؐ بن مسلمہؓ انہی پروانوں کی جماعت میں شامل تھے جنہوں نے ایسے جان گسل مرحلہ میں بھی حق کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے جنگِ خندق میں بھرپور حصہ لیا۔ اور یہی جنگ تھی جس میں مدینہ کے لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا (الاحزاب)

(جب آنکھیں پتھرا گئیں۔ کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم نے اللہ کے بارے میں بھی قسم قسم کے گمان قائم کئے)

اور یہی جنگ تھی۔ کہ جس کے بعد حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ "آج کے بعد مکہ کی طرف سے مدینہ پر کوئی چڑھائی نہ ہوگی۔ اب پیش قدمی ہوگی۔ تو مدینہ کی جانب سے ہوگی۔" اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ ایسا ہی ہوا۔ پیش قدمی کا وقت آگیا۔ اور محمدؓ بن مسلمہؓ اس لشکر میں بھی شامل ہوئے۔ جس کے مکہ میں فاتحانہ داخلے کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب سے باطل بھاگ نکلا۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ اپنے بیٹوں سے جن تعداد دس تھی۔ اکثر کہا کرتے تھے میرے بیٹو! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کے واقعات مجھ سے پوچھا کرو۔ کیوں کہ میں سوائے غزوہ تبوک کے جس میں مجھے مدینے میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ ہر جنگ میں حضورؐ کا ہم سفر رہا۔ اور حضور اکرمؐ کے زمانہ کی ہر وہ جنگ جس کیلئے حضورؐ نے اپنے صحابہ کو روانہ فرمایا۔ (سریّہ) وہ بھی میری آنکھوں سے اوجھل نہیں۔ ایسی جنگی مہمات میں یا تو میں خود شریک ہوتا۔ یا یہ مہمیں میرے سامنے روانہ کی جاتیں"

صُلح حدیبیہ کے بعد اگلے سال حضور اکرمؐ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو مقام "ذوالحلیفہ" پر پہنچ کر آنحضورؐ نے سواروں کا ایک دستہ جماعت سے آگے روانہ فرما دیا۔ اس دستے کے کمانڈر بھی حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ تھے

کعب بن اشرف یہودی کا قتل حضور اکرم علیہ السلام کے مدینہ میں ورود مسعودؐ کے بعد اوس اور خزرج نے اسلام قبول کر لیا۔ یہودی باوجود علم کتاب کے اور توراۃ کی وراثت کے پیچھے رہ گئے۔ ہٹ دھرمی اور تکبّر نے ان کے قدم اسلام کی طرف اٹھنے سے روک دیئے۔ ان یہودیوں نے جو بزعم خود پیغام ربّانی کے اجارہ دار، خدا کے محبوب انبیاءؑ کی اولاد اور اللہ کے چہیتے تھے۔ خدا کے آخری نبیؐ کی نبوّت کا جان بوجھ کر انکار کر دیا۔ حضور اکرمؐ کو وہ بخوبی پہچانتے

تھے۔ کہ آپ ہی اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔ آپ ہی کے لیئے موسےٰ اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل نے پیش گوئیاں کی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود قبولِ حق کی توفیق نہیں ہو سکی قرآن کے الفاظ ہیں۔

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (بقرۃ)

وہ (اہل کتاب) رسول اکرمؐ کو اس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بے شک اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق کو جانتے بوجھتے چھپاتا ہے

یہودیوں نے اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ وہ سازشی ذہن کے مالک تھے۔ ہمہ وقت اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف سازشوں کا تانا بانا بنتے رہتے۔ کئی بار حضور اکرمؐ کو دھوکے سے شہید کرنے کی کوشش کی۔ مگر خاسر و خائب رہے اور کیوں نہ خائب رہتے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبیؐ سے کہہ دیا تھا۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

اُے پیغمبر (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر اور سازشوں سے خود آپ کی حفاظت کرتا ہے

یہودیوں کے بڑے بڑے سردار سرگرم عمل تھے۔ یہودی سردار کعب بن اشرف کی اپنے قبائل میں بڑی عزّت اور اہمیّت تھی۔ یہودیوں سے باہر بھی عرب قبائل میں اس کے خاصے تعلقات تھے۔ قریش مکہ سے اس نے ساز باز کر رکھی تھی اور جنگ خندق کے نازک موقع پر اس نے مسلمانوں سے معاہدے کے باوجود کفار مکہ کا ساتھ دیا۔ اور مسلمانوں کو ختم کر دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا حضور اکرمؐ اس کی حرکات شنیعہ سے اس قدر دل برداشتہ ہوئے۔ کہ ایک دن اپنے صحابہؓ سے کہا،

مَنْ لِكَعْبِ ابْنِ أَشْرَفَ فَإِنَّهُ آذَى اللَّهَ وَ

"کعب بن اشرف سے کون نپٹے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت ایذا پہنچائی

رَسُولَہٗ ؕ ہے۔"

یہ بات سن کر حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ نے اس یہودی سرغنے کو قتل کرنے کی اجازت چاہی جو آپ نے دے دی۔

حضرت محمدؓ بن مسلمہؓ نے کعب بن اشرف کے پاس جا کر اس سے بات چیت کی۔ انہوں نے کہا۔ "اس شخص نے (حضور پاک نے) ہم سے صدقے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور ہمیں بہت مجبور کیا ہے۔ آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں"۔ اس نے کہا۔ "تم اس شخص سے پیچھا کیوں نہیں چھڑاتے؟" انہوں نے جواب دیا۔ "دراصل ہم اس شخص کے معاملے کا انتظار کر رہے ہیں۔ کہ حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے ہم مصلحتاً اسے چھوڑنا نہیں چاہتے"۔ کعب نے کہا۔ "اچھا آپ اپنی عورتوں کو ہمارے پاس رہن رکھ دیں"۔ محمدؓ بن مسلمہؓ نے کہا۔ "ہم یہ خطرہ کیسے مول لیں جبکہ آپ عرب کے جمیل ترین آدمی ہیں"۔ اس نے کہا اچھا پھر اپنے بچوں کو ہمارے حوالے کر دو"۔ انہوں نے کہا۔ "نہیں کل کو ہمارے بچوں کو کوئی طعنہ دے گا۔ کہ تم ایک یا دو وسق کے بدلے میں رہن رہے ہو"۔ اس نے کہا۔ "پھر تم کیا چیز ہمیں دو گے" آپ نے جواب دیا۔ "ہم تمہارے پاس اسلحہ رکھ دیں گے"۔ پس آپ نے وعدہ کیا۔ کہ وہ رات کے وقت اس کے پاس آئیں گے۔ جب رات ہوئی۔ تو محمدؓ بن مسلمہؓ ابونائلہ کے ساتھ کعب بن اشرف کے قلعہ کی طرف آئے۔ ابونائلہ کعب کے رضاعی بھائی تھے انہوں نے کعب کو آواز دی۔ وہ گھر سے نکلنے لگا۔ تو اس کی بیوی کہنے لگی چلا کر کہا۔ "اس وقت آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس نے کہا۔ دیکھو محمد بن مسلمہؓ اور میرا بھائی ابونائلہ مجھے بلا رہے ہیں۔ میں کیوں نہ جاؤں۔ اس نے پھر کہا۔

اِسْمَعُ صَوْتًا یَقْطُرُ مِنْهُ الدَّمُ — یعنی اس آواز کو سنو۔ اس سے خون کے قطرات ٹپک رہے ہیں۔

اس نے کہا "مجھے کوئی پرواہ نہیں"۔ اس کے بعد جب وہ محمدؓ بن مسلمہؓ کے پاس آیا۔ محمدؓ بن مسلمہؓ نے کہا آپ عرب میں سب سے زیادہ اچھی خوشبو استعمال کرنیوالے ہیں۔ کیا میں آپ کے سر کے بالوں سے خوشبو سونگھ کر متمتع ہو سکتا ہوں۔ اس نے کہا "ہاں"۔ پس آپ نے خوشبو سونگھتے ہوئے اسے قابو کر لیا۔ اور اپنے دوستوں سے کہا۔ کہ اسے قتل کر دیں۔ چنانچہ ان کے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ سارا واقعہ صحیح بخاری میں تفصیلاً مذکور ہے۔

کعب بن اشرف کے قتل پر حضور اکرمؐ اور صحابہؓ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا محمدؓ بن مسلمہؓ کی تدبیر اور فراست کے ساتھ مستعدی، پھرتی اور جانثاری نے ایک دشمنِ اسلام کا قلع قمع کر دیا تھا۔

حضورؐ کی وفات کے بعد حضور اکرم علیہ السلام نے جب وفات پائی۔ تو محمدؓ بن مسلمہؓ سے راضی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں محمدؓ بن مسلمہؓ سے اکثر مواقع پر صلاح مشورے کئے۔ اور ان کی اصابت رائے کی وجہ سے ان کے مشورں کو قبول کیا۔ فاروق اعظمؓ نے تو اپنے دور میں محمدؓ بن مسلمہ کو باقاعدہ مشیر بنا لیا۔

فتح مصر میں شمولیت حضرت عمرؓ نے مصر کی فتح کے لئے حضرت عمروؓ ابن العاص کو بھیجا۔ آپ نے کئی مقامات پر مصریوں کو شکست دی لیکن ملک سے دور دراز علاقے میں مجاہدین کی تعداد جو پہلے ہی کم تھی ان کی شہادت سے اور بھی تھوڑی رہ گئی۔ دشمن نے اپنی قوت مجتمع کر لی تھی۔ عمروؓ ابن عاص نے عمرؓ فاروق کو خط لکھا۔ کہ ان کی مدد کے لئے مزید فوج روانہ کی جائے۔ امیر المومنین نے جواب میں لکھا۔ "میں چار سالاروں کی کمان میں ایک فوج بھیج رہا ہوں یہ چاروں اپنی انفرادی حیثیت میں بھی کسی صورت ایک ہزار جنگ جُو جوانمردوں سے کم نہیں"۔ یہ چار سالار محمدؓ بن مسلمہؓ زبیر بن عوامؓ، عبادہ بن صامتؓ اور مقداد بن اسودؓ تھے ہر ایک کی کمان میں ایک ہزار نوجوان مجاہدؓ

یہ کمک جوں ہی مصر میں پہنچی اسلامی فوجوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ اور مصری جو پہلے ہی شکست خوردہ تھے۔ بالکل حوصلے ہار بیٹھے۔ ان چاروں کمانڈروں نے عمرو بن العاص کی قیادت میں دشمن پر بھرپور حملے کئے۔ جلد ہی اس تازہ دم فوج نے پورا مصر فتح کر لیا۔ اور سرزمینِ نیل جہاں عرصۂ دراز سے پیغام یوسفی کی صفیں لپیٹ دی گئی تھیں۔ ایک بار پھر اسلام کے پرچم تلے آگئی۔ اور وہ علاقہ جہاں صدیوں باطل کی بالادستی اور حکمرانی رہی۔ حق کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے لئے تیار۔

محاسبِ عمّال حضرت فاروقِ اعظمؓ اپنی رعایا کے لئے نہایت شفیق و مہربان تھے وہ ہر وقت عوام کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ اور یہی ایک عادل حکمران کا طرۂ امتیاز ہے۔ خلافتِ راشدہ کا پورا دور عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین مثال ہے فاروقِ اعظم جہاں رعایا کے ساتھ بے حد نرم تھے۔ وہاں عمّالِ حکومت سے ہر چھوٹی بڑی بات کے معاملے میں سخت باز پرس کیا کرتے تھے۔ رعایا سے شفقت اور ہمدردی کا یہ ایک لازمی تقاضا بھی ہے۔ کہ افسران کو ان کا خادم بننے کے لئے تیار کیا جائے۔ نہ کہ ان کے مخدوم و حاکم۔ فاروقِ اعظمؓ اپنے تمام گورنروں کو تقرری کے وقت ہی ہدایات دے دیا کرتے تھے۔ کہ وہ اپنے آپ کو عوام سے کسی صورت الگ اور بالاتر نہ سمجھیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ نے کچھ اصول مقرر کر رکھے تھے۔ اور ان پر باقاعدہ حلف لیا جاتا تھا۔ اس کے باوجود گورنروں کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی اور اگر کہیں سے کسی گورنر کے بارے میں کوئی شکایت ملتی۔ تو فوراً اس کے محاسبے کے لئے کسی جلیل القدر صحابی کو روانہ کیا جاتا۔

محمد بن مسلمہؓ کو حضرت عمرؓ اکثر گورنروں کے احتساب پر مقرر فرمایا کرتے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن عاصؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے وہاں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی اختیار کر رکھی ہے قصرِ عالی شان میں رہائش رکھتے

ہیں۔ دروازے پر دربان ہوتا ہے۔ اور عوام کو ملنے کی کھلی اجازت نہیں ملتی تو حضرت عمرؓ نے محمدؐ بن مسلمہؓ کو بھیجا۔ کہ جا کر صحیح صورتِ حال کا جائزہ لیں۔ آپ مصر پہنچے۔ عمرو ابن عاص کے گھر آئے۔ دسترخوان بچھا۔ تو اس پر لذیذ کھانوں کی انواع و اقسام سجی تھیں۔ محمدؐ بن مسلمہؓ نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرو ابن عاص نے پوچھا "کیا امیر المؤمنین نے میرے ساتھ کھانا کھانے سے منع کر دیا؟" محمدؐ بن مسلمہؓ نے جواب دیا: "نہیں منع تو نہیں کیا۔ لیکن کھانے کا حکم بھی نہیں دیا"۔ ان کا مطلب یہ تھا۔ کہ جب میں ایک محاسب کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اور بیت المال سے اس آمد و رفت اور خوراک و طعام کا خرچ مجھے ملا ہے۔ تو میں کیوں آپ کے ہاں سے کھانا کھاؤں۔

حضرت عمرو ابن عاص محاسبے سے کچھ گھبرائے۔ اور کہا: "خدا کی قسم میں نے خطاب اور اس کے بیٹے عمر کو دیکھا۔ کہ وادیٔ بطحا میں بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے جسم پر کمبل کے ٹکڑے ہوا کرتے تھے۔ جبکہ اُسی زمانہ میں عاص وائل ریشمی لباس میں ملبوس پورے فخر کے ساتھ گھوما کرتے تھے"۔ حضرت عمرو کے والد کا نام عاص بن وائل تھا۔ جو بڑا مالدار قریشی سردار تھا۔ عمر بھر اسلام کی مخالفت کی۔ اور حالتِ کفر میں ہی مر گیا۔ اس بیان سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ کہ میں نے گورنری کی وجہ سے کوئی جاہ و جلال حاصل نہیں کیا۔ بلکہ میں تو خاندانی طور پر ایک ناز پروردہ آدمی ہوں۔ اور یہ شکوہ و دبدبہ ہمیں اس وقت سے حاصل ہے جبکہ عمر بکریاں چرایا کرتے تھے۔ ان کی اس بات کے جواب میں محمدؐ بن مسلمہؓ نے کہا: "جہاں تک باپوں کا تعلق ہے۔ تو تیرا باپ اور عمر کا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔ دونوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ باقی رہا تمہارا معاملہ تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ اگر عمرؓ نے تجھے گورنر نہ بنایا ہوتا۔ تو تو مکہ کی کسی گھاٹی

میں بکریاں دوہ رہا ہوتا۔ اور اسی حالت میں مر جاتا۔"

اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ نے پوری تحقیق کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں رپورٹ پیش کر دی۔ اور عمرو ابن عاص کا شدید محاسبہ کیا گیا۔ تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

سعدؓ ابن ابی وقاص کا محاسبہ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص بڑے پائے کے صحابی تھے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ حضور اکرمؐ نے آپ کو مستجاب الدعوات (یعنی جس کی دعائیں خدا کے ہاں مقبول ہوں) کا لقب دیا تھا۔ جنگ اُحد میں ثابت قدمی، ایثار، جرأت اور جوانمردی کی وجہ سے حضور اکرمؐ نے انہیں بڑے بلند الفاظ میں مخاطب کیا تھا۔ یہی سعدؓ ابن ابی وقاص ہیں۔ جنہوں نے ایران کی تاریخی اور طاقتور سلطنت کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ اور کسریٰ ایران یزدجرد ایران کو خیرباد کہہ کر چین بھاگ گیا۔ یہی سعد بن ابی وقاص کوفہ کے گورنر بنائے گئے۔ تو وہاں انہوں نے کوفہ میں ایک محل بنوالیا۔ فاروق اعظمؓ کو پتہ چلا۔ تو محمدؐ بن مسلمہؓ کو بھیجا۔ اور حکم دیا۔ کہ جاکر اس محل کو نذر آتش کر دو۔ محمدؐ بن مسلمہؓ کوفہ پہنچے قصرِ گورنر پر تیل چھڑکا۔ اور اسے آگ لگادی۔ اہلِ کوفہ دیکھتے رہے۔ اور امیر المؤمنین کا نمائندہ محل کو خاکستر کر کے سعد ابنِ ابی وقاص کو الوداعی سلام کر کے رخصت ہونے لگا۔ تو سعد بن ابی وقاص نے بڑی خندہ پیشانی سے اپنے اس مہمان کو رخصت کیا۔

دراصل جب نظامِ حکومت درست ہو۔ اور اہلِ اقتدار اپنے آپ کو قوانین کی حدود سے بالادست نہ سمجھیں۔ تو معاشرہ ہر ظلم و زیادتی، افراط و تفریط اور شر و فساد سے بچ سکتا ہے۔ لیکن اگر کاغذی طور پر اچھے اچھے قوانین بنا دیئے جائیں۔ اور عملاً نظامِ حکومت کے تمام کل پرزے ان کی دھجیاں بکھیرتے رہیں۔ تو ایسے قوانین کوئی اصلاح نہیں کر سکتے۔ ملکی اصلاح اور معاشرتی بہبود کے لئے دو باتیں انتہائی لازمی

میں پہلی بات ذہنی اور فکری اصلاح ہے۔ اس کے لئے افرادِ معاشرہ کی تعلیم و تربیّت ان لائنوں پر ہونی چاہئیے جو کسی بھی معاشرے کے بنیادی عقائد و نظریات کی بنیاد ہوں۔ اس سے انفرادی اصلاح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ ملک اور معاشرے کا دستور اور قانون سازی معاشرے کے اساسی نظریات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اور لازماً اسکو چلانے والی۔ اسکی قوّتِ نافذہ ایمانداری اور دیانتداری سے اس پر عمل پیرا ہو۔ یہ اجتماعی اصلاح کا موجب ہوگا۔ اسلام کے صدرِ اوّل میں یہ دونوں عوامل کارفرما تھے یہی وجہ ہے۔ کہ وہ معاشرہ ظلم و ستم معاشی ناانصافی۔ معاشرتی و طبقاتی کشمکش سے بالکل ناآشنا تھا۔

حضور اکرمؐ کی تلوار اور محمدؐ بن مسلمہؓ آنحضور علیہ السّلام نے محمدؐ بن مسلمہؓ کو ایک تلوار عنایت فرمائی۔ اور کہا:

قَاتِلْ بِهِ الْمُشْرِكِيْنَ مَا قَاتَلُوْا فَاِذَا رَاَيْتَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ فَأْتِ بِهٖ اُحُدًا وَاضْرِبْهُ بِهٖ حَتّٰى تَقْطَعَهٗ ثُمَّ اجْلِسْ فِيْ بَيْتِكَ حَتّٰى تَأْتِيَكَ يَدٌ خَاطِئَةٌ اَوْ مَنِيَّةٌ قَاطِعَةٌ

اس تلوار کے ساتھ مشرکین سے خوب قتال کر جب تک کہ وہ تمہارے مقابلے پر لڑائی کے لئے آئیں لیکن جب تو دیکھے مسلمان ہتھیار اٹھا کر ایک دوسرے کے مقابلے پر نکل آئے ہیں تو اس تلوار کو اُحد پہاڑ پر مار کر توڑ دے۔ اور اپنے گھر بیٹھ جا۔ یہاں تک کہ کسی خطا کار کا ہاتھ تجھ تک آن پہنچے۔ یا قضائے مبرم تیری زندگی ختم کر دے۔"

حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ اس تلوار کے ساتھ دشمنانِ اسلام سے سالہاسال تک نبرد آزما رہے۔ اس تلوار نے بڑے بڑے فرعون صفت کافروں کو واصل

نیام کیا۔ یہ تلوار اسلام کی کامیابی کے لیے فضا میں صدہا بار چمکتی رہی۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی آپ میدانِ عمل میں سرگرم رہے۔ لیکن جب حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوئیں۔ تو محمد بن مسلمہؓ اپنی تلوار لے کر احد پہاڑ پر پہنچے تلوار توڑ دی۔ اور گھر واپس گئے۔ اس جدال و قتال سے بہت سے صحابہؓ الگ ہو کر بیٹھ رہے۔ ان میں محمد بن مسلمہؓ کے علاوہ سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمرؓ قابل ذکر ہیں۔

وفات: حضرت محمد بن مسلمہؓ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے۔ وہ دل میں مسلمانوں کی خانہ جنگی پر کڑھتے رہتے تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ طبعی موت مرے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کو اہل شام کی ایک جماعت نے گھر میں گھس کر شہید کر دیا۔ بہر طور آپ کی وفات یا شہادت ماہ صفر ۴۳ھ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ستتر سال تھی۔ مدینہ کا گورنر مروان بن الحکم تھا۔ اسی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یوں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تربیت یافتہ مجاہد دنیائے فانی سے کوچ کر کے عالم جاودانی کو سدھار گیا۔

آخری عمر میں اس مردِ مجاہد کا دل مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں اور قتال کی بنا پر دکھی تھا۔ ملک بقا میں جا کر ان کے دل کو سکون مل گیا ہوگا۔ کیونکہ وہاں جماعت مسلمین کو انہوں نے اس حالت میں دیکھا ہوگا:

ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین ۝

اور ان کے دلوں میں جو ناراضگی اور خفگی تھی۔ اسے ہم نے نکال دیا۔ وہ ایسے بھائی بن گئے۔ اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تختوں پر ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ

تاریخ اسلام معجزات سے بھری پڑی ہے۔ یہ کتنا بڑا معجزہ ہے۔ کہ عام انسانی گوشت پوست کے افراد ایک نظریئے کی خاطر اپنا سب کچھ تج دینے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہیں ظلم وستم کے پہاڑ ان پر توڑے جا رہے ہوں۔ اور اہل جفا ظلم کرتے کرتے تھک جائیں۔ مگر ان افراد کا جذبہ وفا سرد نہ پڑے۔ ایسے افراد انسانی تاریخ میں صبر واستقامت کے عظیم کارنامے سرانجام دے کر زندہ جاوید ہو جایا کرتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم اس قافلۂ عزم کے ایک راہی حضرت عمار بن یاسرؓ کے حالات کا کچھ تذکرہ نذر قارئین کرتے ہیں۔

حضرت عمارؓ قحطانی النسل ہیں ان کے اجداد یمن کے رہنے والے تھے عمارؓ کے والد حضرت یاسر اپنے ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ اور عرب کی خاک چھانتے رہے۔ بالآخر وہ مکہ پہنچے۔ اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ مکہ میں قریش کے مشہور خاندان بنو مخزوم سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی ایک کنیز سمیہؓ کی یاسر سے شادی کر دی۔ اسی سمیہؓ کے بطن سے تاریخ اسلام کے مایۂ ناز فرزند عمارؓ نے جنم لیا۔ ابو حذیفہ جو بڑا مقتدر سردار اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ یاسر اور اس کے اہل و عیال سے بڑی محبت وشفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ عمارؓ کی والدہ کو تو آزاد نہیں کیا گیا تھا لیکن عمارؓ کو بچپن ہی میں آزاد کر دیا گیا تھا۔ بہر حال عمارؓ نے بچپن مکہ میں بنو مخزوم کے زیر سایہ گزارا۔

ابو حذیفہ کی وفات کے بعد بنو مخزوم نے آلِ یاسر کے ساتھ زیادہ دوستانہ تعلقات کا لحاظ نہ رکھا۔ ابو حذیفہ اسلام کی اعلانیہ دعوت و تبلیغ سے قبل ہی وفات پا چکا تھا۔ حضرت عمارؓ ابھی عنفوانِ شباب ہی میں تھے۔ کہ اسلام کا پیغام اُن کے کانوں تک پہنچا۔ حضورِ اکرمؐ نے دارِ ارقم میں سلسلۂ رشد و ہدایت جاری کر رکھا تھا۔ وہیں حضرتِ عمارؓ حاضر ہوئے۔ اور دروازہ پر حضرت صہیبؓ سے ملاقات ہوئی۔ صہیبؓ سے پوچھا۔ کہ وہ کس ارادے سے کھڑے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا!! دینِ محمدؐ قبول کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ عمارؓ بولے: "خدا کی قسم! میرا بھی یہی ارادہ ہے!" بس دونوں مسافر ایک ساتھ منزلِ مقصود سے بغل گیر ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی ان کے والد اور والدہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اس طرح یہ پورا گھرانہ نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا۔

حضرت عمارؓ سے قبل تیس کے قریب افراد جامِ جانفزائے اسلام پی چکے تھے لیکن کفار کے خوف سے ان میں سے بمشکل آٹھ دس مرد و عورتیں اعلانیہ داخلِ اسلام ہوئے تھے۔ باقی ماندہ افراد نے اسلام کو مخفی رکھا تھا۔ حضرت عمارؓ مکہ میں ایک کمزور اور ناتواں شخص تھے۔ ان کا نہ تو کوئی خاندانی جتھہ تھا۔ اور نہ ہی سیم و زر کی قوت ان کی پشت پناہ تھی۔ ان ساری باتوں کے باوجود حضرت عمارؓ کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ کہ چھپ کر اسلام قبول کریں۔ اظہارِ اسلام کے عواقب و نتائج بھی ان کی آنکھوں سے پوشیدہ نہ تھے۔ تاہم انہیں یہ بھی علم تھا۔ کہ عزیمت رخصت سے بلند تر مقام رکھتی ہے۔ انہوں نے عزیمت کی کٹھن راہ اختیار کر لی۔ اور اپنے آپ کو آزمائش کے لئے پیش کر دیا۔

حضرت عمارؓ کی والدہ سمیّہ بنو مخزوم کی غلامی میں تھیں۔ ان کے والد بھی اس خاندان کے رحم و کرم پر تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد پورا خاندان ظلم و ستم کا نشانہ

بن گیا۔ ان کو مکہ کی تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر دوپہر کے وقت لٹا دیا جاتا اور
سینوں پر بھاری پتھر رکھے جاتے۔ کبھی انہیں آگ کے انگاروں سے داغا جاتا
بعض اوقات انہیں پانی میں غوطے دیئے جاتے۔ اور کبھی انہیں نیزوں کی انیوں
اور تلوار کی نوک سے کچوکے دیئے جاتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی
بار اپنے ان جانثاروں کو ستم کی چکّی میں پستے دیکھا۔ اور ہر بار انہیں صبر کی تلقین
فرمائی۔ مکہ کی سرزمین پر جہاں حضرت عمّار اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ کا
جوان خون پیاسے نیزوں کی پیاس بجھاتا۔ وہیں حضرت یاسر کا بوڑھا خون اور حضرت
سمیّہ کا کمزور لہو شمشیر کفر کو سیراب کرتا رہتا۔ ان آزمائشوں نے اس خاندان کو اسلام
سے دور کرنے کی بجائے اسلام پر زیادہ شدّت سے کاربند کر دیا۔

ایک دفعہ حضور اکرمؐ ایک راستے سے گزرے اور حضرت عمّار اور ان کے
اہل خاندان کو سخت امتحان میں گرفتار دیکھا۔ ظالم دشمن انہیں اذیتیں پہنچا کر مسرور
ہو رہے تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس موقع پر فرمایا:

اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ

"اے خاندانِ یاسر! ان مصائب پر صبر کرو۔ بلاشبہ جنّت تمہارے لئے مقدر ہو چکی ہے۔"

ایک بار آنحضور علیہ السّلام نے حضرت عمّار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر
لیٹے دیکھا۔ شدّتِ الم چہرے سے ہویدا تھی۔ مگر زبان پر کلمۂ حق جاری تھا۔ کفارِ
مکّہ پاس کھڑے ترکِ اسلام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ رحمتِ دو عالم نے یہ عالم دیکھا
تو دل بھر آیا۔ عمّار کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور کہا:

یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا عَلٰی ابْنِ یَاسِرٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاہِیْمَ

"اے آگ ابنِ یاسرؓ پر بھی ٹھنڈی ہو جا۔ جس طرح تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر

ٹھنڈی ہو گئی تھی۔"

ایک دفعہ ان مشکلات و محن سے تنگ آکر حضرت عمارؓ کے والد جناب یاسرؓ نے حضور اکرمؐ سے شکایت کی۔ تو آپؐ نے فرمایا: اِصْبِرُوْا! صبر کرو صبر کرو۔ اس کے بعد آپ نے ربّ ذوالجلال کے سامنے ہاتھ اٹھائے۔ اور دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ اٰلَ یَاسِر اُے باری تعالیٰ یاسرؓ کے خاندان کو بخش دے!

حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیّہ بڑی صاحب عزم و استقامت خاتون تھیں اسلام سے ان کو والہانہ محبّت تھی۔ عورت ذات ہونے کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ انہیں اذیتیں دے دے کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن وہ اسلام اسلام پکارتی رہتیں۔ ایک بار سردار مخزوم ابوجہل نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ وہ یا تو اسلام کو ترک کر دیں یا وہ انہیں مار ڈالے گا۔ حضرت سمیّہ نے کہا: موت و حیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ موت کا ایک وقت معیّن ہے۔ اور اس وقت کو آگے پیچھے کوئی نہیں کر سکتا۔" یہ جرات مندانہ گفتگو اور وہ بھی ایک بے بس کنیز کی زبان سے! ابوجہل غصّے کی آگ میں بھن گیا۔ اس نے اپنے لمبے خونخوار نیزے کا وار کیا۔ اور حضرت سمیّہ اپنے نصب العین کی خاطر جام شہادت نوش کر گئیں۔ سمیّہ کا مقام کتنا بلند اور ان کی شان کتنی ارفع ہے اسلام کی تاریخ میں شہادت کا مرتبہ سب سے پہلے جسے نصیب ہوا۔ وہ یہی باسعادت خاتون ہیں۔ انہوں نے دھرتی کے سینے پر اپنے مقدس لہو سے اسلام کی صداقت اور توحید کی حقانیّت رقم کر دی۔

حضرت عمارؓ نے اپنی والدہ ماجدہ کی شہادت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی لیکن ان کے دل میں کسی قسم کا ڈر پیدا نہ ہوا۔ انہوں نے جس نظریئے کو برحق مانا تھا۔ اس کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہنے کا عزم صمیم بھی ان کے دل میں موجزن

تھا۔ ظلم و ستم کے اس طویل دور میں مصائب جھیلتے جھیلتے حضرت عبد اللہ بن یاسر اور حضرت یاسرؓ دونوں عالم جاوداں کو سدھار گئے۔ اس عظیم المرتبت خاندان کا جلیل القدر سپوت عمارؓ باقی رہ گیا۔ ایک دن عمارؓ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آنحضورؐ نے دیکھا۔ تو آپ پریشان ہو گئے۔ پوچھا: "عمارؓ کیا بات ہے؟" عرض کیا یا رسول اللہ! بڑی بُری خبر ہے! آپ نے پوچھا: "کیا خبر ہے؟" کہا: میں دشمنانِ اسلام کے ہاتھ لگا۔ انہوں نے مجھے پکڑ کر پانی میں غوطے دیئے۔ اور بار بار تقاضا کیا کہ میں کلمۂ کفر زبان سے نکالوں۔ مگر میں اس اذیت سے حواس کھو بیٹھا۔ اور میں نے آپ کی شانِ اقدس میں ناخوش گوار الفاظ اور بتوں کے حق میں کلماتِ خیر کہہ دیئے۔" حضورؐ نے پوچھا۔ "عمارؓ! تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟" عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا دل تو ایمان پر بالکل مطمئن ہے! حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے عمارؓ کی اشکبار آنکھوں کو پونچھتے ہوئے تسلّی دی اور کہا: "عمارؓ! اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تمہارے ایمان اور مقام میں کوئی فرق نہیں پڑا۔" ابنِ سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔ سورۂ النحل کی یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی:

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ

"یعنی جو شخص مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر زبان سے نکال دے۔ حالانکہ وہ اللہ پر ایمان لا چکا ہو۔ اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ تو اس سے کوئی باز پرس نہیں"

اب یہ مجبوری کی قید جو ہے اس سے مراد کس قسم کی مجبوری ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جب جان جا رہی ہو اس وقت ہی اس رخصت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

حضرت عمارؓ نے چونکہ بڑی لمبی عمر پائی تھی اور وہ مکّی دور کی ابتلاؤ آزمائش کی روایات کے امین تھے۔ اس لیئے صحابۂ کرام ان سے اس دور کے واقعات بڑے

شوق سے سنتے تھے۔ بعض کمسن صحابہ اور تابعین ان کی پیٹھ کو دیکھا کرتے۔ ان کی پیٹھ پر زخموں کے نشانات کے علاوہ آگ کے انگاروں سے جل جانے کے نشانات بھی موجود تھے جو قریش مکہ کی سنگ دلی اور حضرت عمارؓ کی ایمانی پختگی کا منہ بولتا ثبوت تھے!

حضرت عمارؓ نے ہجرت کے حکم کے بعد مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی۔ بعض مؤرخین نے ان کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ہجرتِ حبشہ میں بھی شرکت فرمائی تھی۔ جبکہ کچھ مؤرخین نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مدینہ منورہ میں حضورؐ نے عمارؓ کا بھائی چارہ مشہور انصاری صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان سے کرا دیا حضرت عمارؓ کے حالات میں تمام مؤرخین اور اکثر محدثین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ مدینہ میں جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو صحابہ کرام اور خود حضور اکرمؐ اینٹ گارا اٹھا کر اس مقدس گھر کی تعمیر میں حصہ لے رہے تھے۔ حضرت عمارؓ کو حضور پاکؐ نے دیکھا تو اُن کے سر پر گرد وغبار کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر کی خاک جھاڑی اور پیار کرتے ہوئے فرمایا: "اے ابنِ سمیّہ! تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی!" صحابہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ایک سل اٹھاتے تھے مگر عمارؓ پتھر کی دو سلیں اٹھا کر لے جاتے تھے۔ اسی مسجد کی تعمیر کے دوران کچھ صحابہ نے حضرت عمارؓ کے سر پر اتنا بوجھ رکھ دیا کہ لوگوں نے دیکھ کر کہا: "آج عمارؓ اس بوجھ کے نیچے مر جائے گا۔" آنحضرتؐ نے دیکھا۔ تو کچھ اینٹیں عمارؓ کے سر سے اتار کر نیچے پھینک دیں۔ اور پھر فرمایا: "افسوس عمارؓ! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کریگا۔ تم اسے جنت کی طرف بلاؤ گے۔ اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف دعوت دے گا۔ اس واقعہ کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں بھی نقل کیا ہے واضح رہے۔ کہ حضرت عمارؓ کی شہادت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوئی جبکہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ صفین کی جنگ میں ایک دوسرے سے

نبرد آزما ہوئے۔ حضرت عمار حضرت علی کے سرگرم حامی تھے۔

حضرت عمارؓ کے صبر و استقامت کے واقعات سطور بالا میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ وہ صاحبِ استقامت ہونے کے ساتھ ہی بڑے جری اور شجاع تھے زندگی بھر میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے رہے تھے۔ اور بڑے بڑے دشمنوں کو تہ تیغ کیا۔ جنگ بدر سے لے کر فتح مکہ تک حضور اکرمؐ کے ساتھ رہے بعض جنگوں میں جب صحابہ کے قدم اکھڑے اس وقت بھی یہ ثابت قدم ہی رہے کئی مواقع پر حضورؐ نے ان کو مدینہ میں اپنا جانشین بھی مقرر کیا۔ حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد دورِ صدیقی میں بھی جناب عمار کی جاں بازیاں میدان کارزار میں اپنا لوہا منواتی رہیں۔ جنگِ یمامہ میں تو ان کی حالت قابلِ رشک تھی حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں۔ کہ میں نے عمار کو یمامہ کی لڑائی میں دیکھا۔ اور ایک بہادر سپاہی اور جانثار مجاہد کے روپ میں وہ میرے سامنے آئے۔ ان کا ایک کان شہید ہو کر زمین پر گر پڑا اور تڑپنے لگے لیکن انہیں اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ اسی جنگ میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ بنو حنیفہ کے تیر اندازوں کے مقابلہ میں مسلمان تنگ ہو کر پیچھے ہٹے۔ جناب عمار ایک بلند چٹان کے اوپر چڑھ گئے اور اونچی آواز سے پکار کر کہا: "اے مسلمان نوجوانو! کیا تم جنت سے فرار اختیار کر رہے ہو میں عمار بن یاسر ہوں۔ ادھر میری طرف آؤ!" اس آواز کو سن کر جنت کے شائقین پلٹے اور دشمن پر اس زور سے حملہ کیا کہ مکمل فتح ان کے قدم چوم کر رہی!

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آپ تمام مہمات میں شریک رہے۔ خلیفہ دوم نے اپنے دورِ خلافت میں ۲۰ھ میں عمارؓ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ پونے دو سال تک انہوں نے اس منصب پر کام کیا۔ اس دوران بصرہ اور کوفہ کی صوبائی حدبندی کی

ایک مسئلہ اٹھا۔ اور کچھ علاقہ کوفہ سے الگ کر کے بصرہ میں شامل کئے گئے۔ اہلِ کوفہ نے اس پر احتجاج کیا۔ اور اپنے گورنر حضرت عمارؓ کو بھی اس معاملہ میں اپنا ہمنوا بنا کر دربارِ خلافت میں بطورِ وکیل بھیجنا چاہا۔ جناب عمارؓ جانتے تھے۔ کہ انتظامی امور کی بطریق احسن بجاآوری کے لئے ضروری ہے۔ کہ یہ تبدیلی کی جائے اس لئے انہوں نے اس تحریک کی سرپرستی کرنے سے انکار کر دیا۔ اہل کوفہ اس کے بعد حضرت عمارؓ کے مخالف بن گئے۔ اور ایک کوفی سردار عطارد نے تو گستاخی کی حد کر دی۔ اس نے گورنر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے کان کٹے! تو ہم سے محاصل کس بنیاد پر طلب کرتا ہے؟" یہ سُن کر حضرت عمارؓ نے صرف یہ جواب دیا: "اے شخص! تو نے میرے سب سے بہتر اور محبوب ترین کان کو گالی دی ہے۔" اہل کوفہ نے حضرت عمارؓ کے خلاف دربارِ خلافت میں شکایات کی بھرمار کر دی۔ خلیفۂ دوم نے بھانپ لیا۔ کہ اہلِ کوفہ حضرت عمارؓ سے ذاتی پرخاش کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کریں گے۔ آپ نے حضرت عمارؓ کو اس عہدہ سے معزول کر دیا۔ معزولی کے بعد جناب فاروقؓ نے عمارؓ کو بلا کر پوچھا۔ "کیا تم اس معزولی سے ناراض تو نہیں ہوئے؟" جواب دیا: جب مجھے اس منصب پر مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت مجھے کوئی خوشی نہ ہوئی تھی اور اب کوئی افسوس نہیں ہے"

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں جب شورشیں برپا ہونے لگیں ——

اور اس کے بعد صفین کا معرکہ ہوا۔ تو حضرت عمار بن یاسر شہید ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے جب آپ کی شہادت کی خبر سنی۔ تو بڑے متاسف ہوئے۔ اور حضرت عمارؓ کی لاش پر آکر کہا: "خدا نے عمارؓ پر قبولِ اسلام کے روز رحم کیا۔ خدا نے ان پر شہادت کے روز یعنی آج رحم کیا۔ اور خدا ان پر اس روز بھی رحم کریگا جس روز دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ خدا ان کے قاتل کو جہنم رسید کرے گا۔" حضرت علیؓ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اور صحابہؓ کی ایک کثیر جماعت نے ان کا دیدار کیا۔ پھر خون آلود کپڑوں میں انہیں

سپردِ خاک کیا گیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر اکیانوے برس تھی۔

حضرت عمارؓ ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں زندگی میں جنّت کی بشارت دی گئی تھی۔ حضور اکرمؐ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جنّت تین آدمیوں کی منتظر ہے اور بیقراری سے اس وقت کا انتظار کر رہی ہے جب وہ اس میں داخل ہوں گے ایک عمارؓ، دوسرے علیؓ اور تیسرے سلمان فارسیؓ!

حضرت عمارؓ بڑے عابد و زاہد تھے۔ نمازیں بہت لمبی پڑھا کرتے۔ اور نماز میں خشوع و خضوع کی مکمل تصویر بن جاتے۔ امام حاکم نے اپنے مجموعۂ احادیث مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے۔ کہ سورۂ زمر کی یہ آیت: عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ	"کیا وہ شخص جو اللہ کے سامنے حاضری دیتا ہے
الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا	اور وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سجدہ کرتا ہے
يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا	اور کھڑا ہوتا ہے رات کی وقت آخرت سے ڈرتا ہوا
رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ	اور رحمت ربانی کی امید رکھتا ہوا۔ وہ نافرمانوں کے
يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ	برابر ہو سکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) اے پیغمبر! کہہ دیجئے۔ کیا
وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط	جاننے والے اور بے علم ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟"

حضرت عمارؓ نے مکی زندگی کا دورِ ابتلا بھی دیکھا۔ اور مظالم کے سامنے استقامت سے ڈٹے رہے۔ پھر اسلام کا دورِ عروج بھی انکی آنکھوں کے سامنے آیا۔ وہ ایک عاجز و انکسار بندے کی طرح سادہ زندگی گزارتے رہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کا دورِ فتن بھی انہوں نے دیکھا اور اس میں خلیفہ راشد کا ساتھ دیا۔ اسی دور میں انہیں شہادت بھی نصیب ہو گئی۔ اللہ تعالےٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔ اور ہر مسلمان کو انکے نقش قدم پر چلنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔ آمین!

حضرت مصعب بن عمیرؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے میں جب حق کا پرچم بلند کیا اور تمام لوگوں کو اس کے نیچے جمع ہو کر فلاحِ اخروی و دنیوی حاصل کرنے کی تلقین کی تو عرب میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ عرب میں اس دعوت کو سننے کے بعد لوگوں کی طرف سے تین قسم کے ردِ عمل سامنے آئے۔ کچھ لوگ سنتے ہی اس دعوت کی طرف لپکے۔ اور اپنی کشتِ ویران کو اس کے حیات بخش ابرِ رحمت سے سیراب کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ سلیم الفطرت روحیں اس عالم کون و مکان کی زینت ہوتی ہیں۔ اور ان ہی کے دم سے شمع حق فروزاں رہتی ہے۔ یہ اللہ کے بندے انہیں میں سے تھے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے اس دعوت کو سنا اور سنتے ہی بِدَک گئے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اس مقصد کے لئے وقف ہو گئیں۔ کہ حق کی آواز غالب نہ آنے پائے۔ اس کے لئے انہوں نے مکر و فریب کے جال بھی پھیلائے ترغیب و تحریص کے سبز باغ بھی دکھائے۔ ترہیب و تہدید کی سنگلاخ گھاٹیاں بھی کام میں لائے اور تیر و تفنگ کو بھی استعمال کیا۔ ایک تیسری قسم کے لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے نہ تو حق کی پکار پر لبیک کہی اور نہ ہی حق پرستوں کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ یہ خاموشی سے حق و باطل کی کشمکش کو دیکھتے رہے۔ اور اس بات کا انتظار کرتے رہے۔ کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔

حضرت مصعب ابن عمیرؓ ان حق کیش افراد میں سے تھے جنہوں نے داعیِ حق کی دعوت کو سنا۔ اور سنتے ہی اس کے ساتھ عہدِ وفا باندھا۔ اور کیپر دنیا نے

دیکھ لیا، کہ مکہ کے اس نوجوان نے ایفائے عہد کے لیئے دنیا جہاں کی تمام آزمائشوں کو انگیز کیا۔ لیکن کسی بھی مقام پر اس کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ ان کے سامنے بارہا دین اور دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کا سوال آیا۔ انہوں نے ہر بار دین کو دنیا پر ترجیح دی۔ وہ بخوبی جانتے تھے۔ کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ اسے ختم ہو جانا ہے۔ اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ہر زمانے اور ہر دور میں داعی اور دعوتِ حق کے راہیوں کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ داعی حق کی آواز پر لبیک کہنے والوں کو جلد ہی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ وہ جس راہ پر قدم اٹھا رہے ہیں۔ وہ پھولوں کی سیج نہیں ہے جس منزل کے وہ راہی ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے لیئے جان ہتھیلی پر رکھ کر رختِ سفر باندھنا پڑتا ہے یہ دعوتِ حق کو قبول کرنا اور قافلۂ حق کے ساتھ سفر کرنے کا ارادہ کرنا ایسا جرم ہے کہ جس کی پاداش میں بیگانے چھوڑ اپنے بھی پتھر برسانے سے باز نہیں رہتے۔ مصعب بن عمیرؓ کی زندگی انہی سچائیوں کی شہادت دیتی ہے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے ایک معزز اور مالدار قریشی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی۔ اس میں ہر قسم کے عیش و عشرت کی فراوانی تھی۔ لیکن سیم و زر کے انباروں میں پروان چڑھنے والا یہ نوجوان قدرت کی طرف سے کسی اور ہی مقصد کے لیئے تیار کیا جا رہا تھا۔ آپ کی ابتدائی زندگی عیش و تنعم کا نمونہ تھی۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اہل دنیا نے دیکھا۔ کہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا لیکن انہوں نے باطل سے مصالحت کرنا گوارا نہ کیا۔ انہیں بخوبی علم تھا کہ جنت کا حصول کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حضور اکرم علیہ السلام کی حدیث ہے حفت الجنة بالمکارہ" یعنی جنت ایسی اشیاء سے گھیری گئی ہے۔ جن کو انسانی طبیعت ناپسند کرتی ہے۔ یعنی اس عارضی زندگی میں ایسی مشکلات برداشت کرنا

پڑتی ہیں، جن کو برداشت کرنے پر انسانی ذہن آسانی سے تیار نہیں ہو پاتا۔

قبول اسلام سے پہلے قبول اسلام سے قبل حضرت مصعب ابن عمیرؓ پورے عرب میں سب سے زیادہ خوش پوشاک تھے۔ ان کے جسم پر اطلس وحریر کے دہ اعلیٰ قیمت پارچات ہوتے تھے جن کو روسا بھی بصد حسرت دیکھتے۔ تمام عرب میں آپ کی خوش ذوقی و نفاست کا چرچا تھا بہترین قسم کی خوشبوئیں استعمال کرتے تھے تاریخ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ کَانَ اَعْطَرَ اَهْلِ مَکَّةَ (اہل مکہ میں سب سے زیادہ عطر لگانے والا مصعب بن عمیر تھا) جب آپ گھر سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو نوکروں اور خدام کی ایک جماعت ساتھ ہوتی اپنے گھروں اور بازاروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو خوشبو میں بسی ہوئی ہوا سے معلوم ہو جاتا۔ کہ مصعب بن عمیر اس راستے سے آ رہا ہے۔ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ بہت وجیہہ و شکیل بھی تھے۔ اور بہت اچھے گھوڑ سوار بھی۔

ان حالات میں پرورش پانے والا مکہ کا یہ نوجوان قریشی جب اپنے شہر میں تحریکِ اسلامی کی دعوت سنتا ہے۔ تو خوب سوچ سمجھ کر وہ اس دعوت کو قبول کر لیتا ہے۔

قبولِ اسلام کے بعد انہیں اس دعوت کو قبول کرنے کے تمام عواقب و نتائج معلوم تھے۔ لیکن وہ روشنی جو ان کے دل میں چمک رہی تھی۔ انہیں ان کٹھن وادیوں میں سفر کرنے کے لئے تیار بھی کر رہی تھی۔ مصعب ابن عمیرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آنحضورؐ اس وقت اسلام کے مدرسہ ثانی دارِ ارقمؓ میں تھے۔ مصعب ابن عمیرؓ نے کچھ عرصہ تک اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا۔ وہ خاموشی کے ساتھ حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور تعلیم

ؔ حضرت ارقم ابن ارقم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ ابوجہل کے خاندان بنو

حاصل کرتے آپ کی والدہ مُلیسکہ یا غنیّہ (دونوں نام تاریخ میں مذکور ہیں) بہت سخت مزاج تھیں۔ اور باپ دادا کے دین کی سختی سے پابند۔ آخر ایک دن آپ کے چچازاد بھائی عثمان بن طلحہ عبدری نے آپ کی والدہ کو بتادیا۔ اس کے بعد آپ پر ابتلا آزمائش کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

دورِ ابتلا سے گزرتے ہوئے سنار سونے کو صاف کرنے کے لئے اپنی کٹھالی میں ڈالتا ہے۔ اور اتنے سخت الاؤ پر اسے گرم کرتا ہے۔ کہ میل کچیل اور ملاوٹ سونے سے الگ ہوجاتی ہے۔ اس کٹھالی میں پڑنے کے بعد ہی سونا اپنی اصلیت کا حامل ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ خالص اور صاف سونا ہے۔ بالکل اسی طرح نظریات کی دنیا میں کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے کیلئے انسانوں کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے بہت سی میل کچیل اس بھٹی کی تاب نہ لاکر الگ ہوجاتی ہے۔ اور جو لوگ اُس بھٹی سے کامیاب ہوکر نکلتے ہیں۔ وہ کُندن بن جاتے ہیں۔[1] ان کو پھر دنیا کی کوئی طاقت کھوٹا ثابت نہیں کرسکتی۔ وہ جس دور سے بھی گزرتے ہیں۔ ہر معیار پر پورا اترتے ہیں۔ انہیں کوئی ان کے نظریات سے نہیں ہٹا سکتا۔

لیلئہ مخزوم میں سے تھے۔ آپ نے اپنے خاندان کے سرداروں ولید اور ابوجہل کی شدید مخالفتوں کے باوجود اسلام کے قبول کرنے میں سبقت حاصل کی۔ اپنا گھر مسلمانوں کے لئے وقف کردیا۔ آپ کا گھر مکہ میں محفوظ مقام پر تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ابتلاؤ آزمائش کے دور میں زیادہ وقت دارارقم میں ہی گزارا کرتے تھے۔ اس کو اسلام کا مدرسہ ثانی کہا جاتا ہے۔ (مدرسہ اول غارِ حرا ہے جہاں سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جبریل امین نے اِقْرَأْ کا پیغام سنایا تھا) دارارقم میں بعض بڑے صحابہؓ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ اسی گھر میں آکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت مصعب بن عمیر بھی دارارقم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام قبول کیا۔ آپ سابقون الاولون میں سے ہیں۔

[1] اس حقیقت کو قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر بڑے اثر انگیز پیرائے میں بیان کیا گیا۔

مصعب ابن عمیرؓ کو ان کے گھر والوں نے قید کر دیا اور طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ ناز و نعمت میں پلا ہوا پھولوں کی سیج پر لیٹنے والا اور دنیا کے دکھوں سے بے خبر مصعب ابن عمیرؓ اب ایک نئے دور میں داخل ہو گیا تھا۔ اب اس کے جسم پر کھجور کی تازہ چھڑیوں سے ضربیں لگائی جاتی تھیں جن سے خون کے فوارے پھوٹنے لگتے۔ اور سارا جسم لہو لہان ہو جاتا تھا۔ مصعب بن عمیر کے سامنے دو راستے تھے۔ اور انہیں دونوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تھا۔ یا تو وہ اپنے نظریئے کو خیرباد کہہ دیتے اور جس بات کو انہوں نے حق جانا تھا۔ اسے حق سمجھتے ہوئے بھی اس سے برات کا اظہار کر دیتے۔ اس کے بارے میں انہیں ان کا سابقہ دورِ عشرت لوٹا دیا جاتا جبکہ دوسری راہ یہ تھی۔ کہ اگر انہیں اپنا نظریہ عزیز تھا۔ تو پھر کانٹوں سے اُلجھ کر زندگی گزارنے کی خو اپنانی تھی۔ اور ماضی کے حسین ایام کی یادوں کو دل سے نکال کر پھینک دینا تھا۔ مصعب ابن عمیرؓ نے اسی راستے کو اختیار کیا۔ مردانِ حق پرست اور جوانانِ عالی ہمت کبھی رخصتوں کی تلاش میں نہیں ہوا کرتے۔ وہ ہمیشہ عزیمت کی راہ پر چلتے ہیں۔ خواہ اس کے لئے جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔

آزمائش کبھی ایک قسم کی نہیں ہوا کرتی۔ اگر ایک ہتھیار کارگر ثابت نہ ہو۔ تو کوئی دوسرا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ جب مصعبؓ کو جسمانی ایذائیں جادۂ مستقیم سے ہٹانے میں ناکام ہو گئیں تو پھر معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کا حربہ آزمایا گیا۔ آپ کو والدین نے گھر سے نکال دیا۔ اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔

---

* سورۂ عنکبوت میں فرمایا "فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین" اللہ تعالیٰ ضرور اس بات کا امتحان لے گا۔ کہ اپنے دعویٰ ایمانی میں سچے کون لوگ ہیں۔ اور جھوٹے کون (سورہ محمد میں فرمایا ولنبلونکم حتیٰ نعلم المجاھدین منکم والصابرین" (ہم ضرور تمہیں آزمائش میں ڈالیں گے۔ تاکہ سچے مجاہدین اور راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب پر) صبر کرنے والوں کو جان لیں۔

مگر کیا مصعبؓ بے یار و مددگار تھے؟

مصعب بن عمیر بے یار و مددگار نہ تھے۔ وہ بے سہارا نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا خالق سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور وہی بندہ مومن کا سب سے بڑا سہارا ہے

اِنَّ اللّٰہَ مَوْلٰیکُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی مصعبؓ کا ذکر فرماتے تھے۔ تو ارشاد فرماتے "مَیں نے مکہ میں مصعب سے زیادہ کسی کو ناز پرورده، خوش لباس اور خوشحال نہیں دیکھا" پھر ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جایا کرتے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ایک بار جبکہ آپ مدینہ کے گورنر تھے۔ اپنے دوستوں سے مصعبؓ ابن عمیر کا ذکر کیا تو فرمانے لگے۔ ایک دن مصعب ابن عمیرؓ حضور اکرم کے پاس آئے۔ آنحضرت اپنے صحابہؓ کے درمیان بیٹھے تھے۔ مصعب ابن عمیرؓ کے جسم پر ایک کمبل تھا جسے انہوں نے کانٹوں سے سی رکھا تھا۔ تاکہ جسم ڈھانپا جا سکے۔ صحابہ نے آپ کو دیکھا۔ اور آپ کا گزرا ہوا زمانہ یاد کر کے پریشان ہو گئے۔ وہ مصعبؓ کی کوئی امداد نہ کر سکتے تھے سوائے دلی ہمدردی کے۔ حضور اکرمؐ نے آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ مَیں نے مصعب سے زیادہ کسی کو نازپروردہ نہیں پایا لیکن مصعبؓ نے اس تمام عیش و عشرت کو اللہ اور اس کے رسول کی محبّت پر قربان کر دیا ہے۔

اسی مکّہ کے کوچہ و بازار جہاں مصعب ابن عمیر شہنشاہوں کی سی شوکت حشمت کے ساتھ چلا کرتا تھا۔ اب اسی مکہ میں وہ ایک کھردرے کمبل میں ملبوس تحریک اسلامی کے کارکن کی حیثیت سے مصروف تبلیغ رہنے لگا۔

حضرت مصعب ابن عمیرؓ صاحب ہجرتین ہیں" آپ نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن کچھ عرصہ بعد مکہ واپس آگئے۔ حبشہ میں یہ اطلاع پھیل گئی تھی۔ کہ قریش مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چنانچہ کچھ مسلمان واپس آگئے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کو

طرف ہجرت کی۔ آپ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ جو مدینہ میں ہجرت کر کے آئے۔ آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفیر اور معلّم بنا کر بھیجا۔ آپ نے وہاں بڑی کامیابی سے تحریکِ اسلامی کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اور مدینہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور اسلام کے لئے فتح ہو گیا۔ یہ تاریخ کی گواہی ہے کہ مدینہ کو کسی فوج یا لشکر نے فتح نہیں کیا تھا۔ اس کی فتح رسول اکرم کا سچا پیغام لے کر آنے والے مصعب بن عمیر کے دلنشین اندازِ تبلیغ اور دل جیت لینے والے حسنِ اخلاق کی مرہونِ منت ہے۔ مدینہ کی اسلامی ریاست میں سب سے پہلے پیغمبر آخر الزمان کی شریعت کا نفاذ ہوا۔ صحابی رسول مصعبؓ ابنِ عمیر کی مساعیٔ جمیلہ کا اس کے قیام میں بڑا ہاتھ ہے۔

داعیٔ حق اور حکمتِ تبلیغ داعیٔ تحریک کی حیثیت سے حضرت مصعب ابن عمیر کا رتبہ بہت بلند ہے۔ آپ نے جس خوبی کے ساتھ مدینہ میں تحریک اسلامی کا کام پھیلایا۔ اور جس حکمت کے ساتھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا وہ آج بھی اسلام کا نصب العین لے کر اٹھنے والے کارکنوں کے لئے بہترین اسوہ ہے۔ آپ نہایت محنتی اور ذہین کارکن تھے۔ آپ کو بخوبی علم تھا کہ موقع محل کی مناسبت اور حالات کی نزاکت کس قسم کے طرزِ عمل کی متقاضی ہے۔ حکمتِ تبلیغ اور موعظۂ حسنہ کی بے شمار مثالیں آپ نے قائم کیں۔ مدینہ میں حضرت اسعد بن زرارہ انصاریؓ جو بیعت عقبہ اولیٰ میں ایمان لائے تھے اور جن کو حضور اکرمؐ نے نقیب مقرر کیا تھا بڑے سرگرم کارکن تھے۔ وہ حضرت ابن عمیر کے ساتھی اور رفیقِ تبلیغ بھی تھے۔ آپ دونوں کی شبانہ روز کوششوں سے اوس اور خزرج کے بے شمار گھرانے نورِ اسلام سے جگمگا اٹھے تھے۔ ایک دن یہ دونوں نوجوان قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبد الاشہل میں تبلیغ فرما رہے تھے کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر نے انہیں دیکھ لیا۔ اسعدؓ بن زرارہ سعد بن

معاذ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ سعد نے اسید سے کہا:"یہ دونوں نوجوان ہمارے قبیلے کو گمراہ کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر اسعد میرا خالہ زاد بھائی نہ ہوتا۔ تو میں ابھی جا کر ان کا بند و بست کر دیتا۔"

اسید نے کہا:"یہ تو بہت خطرناک لوگ ہیں۔ ہماری جمعیّت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو ان کو یہاں سے نکال دوں۔"

سعد نے کہا۔"ہاں ضرور ان کو نکال دو۔"

اُسید بن حضیر داعیانِ اسلام کو اپنے قبیلے سے نکالنے کے لیے آگے بڑھا۔ اور مصعب ابنِ عمیر کے پاس پہنچ کر انہیں سخت سُست کہنا شروع کر دیا۔ بُری بھلی باتیں سُن کر اسعد بن زرارہ رضؓ نے کوئی جواب دینا چاہا۔ تو مصعب رضؓ نے انہیں روک دیا۔ جب اُسید کا غصّہ ذرا ٹھنڈا ہوا۔ تو مصعب رضؓ نے نہایت تحمّل اور بردباری سے انہیں کہا ــــــ "میرے بھائی آپ تشریف تو رکھیں۔ ہمارے پاس بیٹھیں، ہماری بات سنیں۔ آپ عقل مند آدمی ہیں۔ اگر ہماری بات آپ کو اپیل کرے۔ تو اسے تسلیم کر لیجئے گا۔ ورنہ آپ کو مجبور کون کر سکتا ہے!"

مشتعل سردار یہ سُن کر ان کی بات سننے پر آمادہ ہو گیا۔ اور جب "بات" اس کے سامنے رکھی گئی تو اس نے بے ساختہ اسلام قبول کر لیا۔ سعد غصّے سے بھڑک اُٹھے۔ کہ اُسید دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ خود آئے۔ اور اسی طرح درشتی کے ساتھ مصعب رضؓ سے مخاطب ہوئے ــــــ یہاں وہی سکون تھا جس کے پیچھے کئی طوفان موجزن تھے۔ اور انہی طوفانوں میں جاہلی غرور و عصبیّت کی کشتیاں ایک ایک کر کے ڈوبتی چلی جا رہی تھیں۔ سعد بھی کلامِ شیریں اور کلمۂ حق سے گھائل ہو گئے اور یوں اس روز اَوس کا پورا قبیلہ ایک ہی دن سعد کی قیادت میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

قرآن کریم میں دعوت کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یوں ہے: اُدۡعُ اِلٰی
سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ
اس آیت کی عملی تفسیر اگر دیکھنی ہو۔ تو مصعبؓ ابن عمیر کی زندگی دیکھنی چاہیئے
بھا مجال جو کسی مقام پر بھی حکمت کا دامن ہاتھ سے جانے دیا ہو۔ داعی حق کو
بھی کسی موقع پر مشتعل نہ ہونا چاہیئے۔ اس کی مثال تو عملاً ایک طبیب کی سی ہوتی ہے
طبیب اپنے مریض سے کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ وہ مریض کا نہیں بلکہ مرض کا دشمن ہوتا
ہے۔ داعیٔ حق بھی روحانی امراض کے شکار افراد کو ان کی بیماریوں سے نجات دلانا
چاہتا ہے۔ اس لئے اسے بڑی ہمدردی اور حلم و عفو کے ساتھ لوگوں سے معاملہ
کرنا چاہیئے۔ بسا اوقات دعوتِ اسلامی کے پُرجوش کارکن محض اپنی جلد بازی اور بعض
صورتوں میں اپنی زود رنجی کی وجہ سے بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتے ہیں اور جن لوگوں کے
سنبھلنے کا امکان ہوتا ہے انہیں محض اپنے طرزِ عمل سے ہٹ دھرم بنا دیتے
ہیں۔ داعیٔ تحریک کے لئے یہ ازبس ضروری ہے کہ اس کی شیرینیٔ گفتار کا دوست
دشمن سب کو اعتراف ہو۔ مصعب ابن عمیر کو مدینہ میں جو شاندار کامیابی حاصل ہوئی
تھی اس میں ان کی حکمتِ تبلیغ اور خوش گفتاری کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔

اے اللہ کے رسول! مدینہ آپ کا منتظر ہے

جب مدینہ میں مکہ کا یہ سپوت زمین تیار کر چکا اور مدینہ کے لوگوں نے تن من دھن سے پیغمبر اسلام کی اطاعت پر آمادگی
ظاہر کر دی۔ تو مصعبؓ مکہ گئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ ان کی اس خوشی کو کسی دنیوی پیمانے
سے نہیں ناپا جا سکتا۔ انھیں اس بات کی خوشی نہ تھی۔ کہ مکہ جا کر انہیں ان کی سابقہ عشرت
لوٹا دی جائے گی۔ نہیں وہ اب ان باتوں سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ مادی ذرائع و وسائل
اور راحتوں سے ان کی نظر بہت بلند ہو گئی تھی۔ وہ اب کھردرے کمبل اوڑھ کر بھی
مطمئن اور خوش تھے۔ ان کا جسم اب ریشم و حریر کا طلبگار نہ تھا۔ انہیں غرض تھی تو

اس بات سے کہ ان کا نظریۂ حیات دنیا میں غالب ہو۔ اور ان کے ہم مسلک بھائیوں کی مشکلات ختم ہو جائیں۔ وہ اپنے آبائی شہر میں واپس آرہے تھے۔ اور اسلام کے لئے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر کے آرہے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یارسول اللہ! مدینہ آپ کا منتظر ہے۔ اس شہر جور و جفا کو چھوڑ دیئے۔ اور اس بستی مہر و وفا میں آجائیے" ـــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے صحابہؓ کو ہجرتِ مدینہ کا حکم دیا۔ اور بعد ازاں خود وہاں تشریف لے گئے۔ جب حضورؐ کی آمد کی خبر مدینہ میں پہنچی۔ تو پورا شہر نبی امّی صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کو اُمڈ آیا اور پھر سب نے حق کی غیر مشروط اطاعت کا عہد باندھا۔

بدر کا علمبردار، اُحد کا شہید کفر و اسلام کی معرکہ آرائیاں ازل سے شروع ہیں اور ابد تک رہیں گی۔ ان تمام معرکہ ہائے کارزار میں میدانِ بدر کا مقام سب سے بلند ہے اس جنگ میں آنحضورؐ نے اپنا علَم مبارک حضرت مصعبؓ ابن عمیر کو ہی عطا کیا تھا۔ اور اس علَم کی سربلندی کے ساتھ علَم بردار کو بھی قیامت تک سربلند کر دیا مصعبؓ بن عمیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ فاتحانہ مدینہ میں واپس آئے۔ اس کے بعد مصعبؓ میدانِ اُحد میں بھی اسلامی افواج کے علمبردار بنے۔ آپ نے وہاں جس جواں مردی اور مومنانہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ وہ تاریخ عالم میں عدیم النظیر ہے مشہور مؤرخ جناب محمد حسین زیدان نے اپنی مشہور کتاب "سیرۃ بطل" میں مصعب ابن عمیر کے حالات میں لکھا ہے کہ جب میدانِ اُحد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تو حضرت مصعبؓ بن عمیر کی زبان پر سورہ آلِ عمران کی وہ آیت جاری ہو گئی جس میں حضور اکرمؐ کی وفات کا ذکر آیا ہے[1]۔ یہ آیت اس وقت تک نازل نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے صحابی کو وہ

---

[1] یہ آیت ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ط اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس سے پہلے بھی دنیا میں رسول (۱۳۷)

کرامت بخشی۔ کہ بعد میں نازل ہونے والی آیت پہلے ہی ان کی زبان سے ادا کرادی۔
(سیرۃ البطل۔ صفحہ ۱۲) ـــــ اسی جنگ اُحد میں مصعبؓ ابن عمیر کو شہادت نصیب
ہوئی۔ آپ شہید ہو گئے۔ اور علمِ اسلام ایک اور صحابی نے تھام لیا۔ ـــــ کہا جاتا ہے
شہادت سے قبل دشمنوں نے مصعبؓ کا وہ بازو قلم کیا جس میں پرچم تھام رکھا تھا
آپ نے فوراً دوسرے ہاتھ سے پرچم اسلام کو پکڑ لیا۔ وہ بھی کاٹ دیا گیا۔ تو آپ نے
دونوں کٹے ہوئے بازوؤں سے اُسے سینے سے لگا لیا۔ تا آنکہ جماعتِ شہداء میں
شامل ہو گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت جعفر طیارؓ نے بھی جنگِ موتہ میں علمِ اسلام کی سربلندی کے لئے
اسی طرح کا مظاہرہ کیا۔ اور اپنے بھائی مصعبؓ ہی کی طرح جامِ شہادت نوش کیا۔
غزوۂ اُحد ختم ہونے پر جب ابو سفیان اپنی فوجوں کے ساتھ مکے کو روانہ
ہو گیا۔ حضور اکرمؐ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ نے میدانِ اُحد میں پڑی ہوئی شہداء
کی لاشوں کو دفن کرنا شروع کیا۔ تو مکہ کا لاڈلا فرزند مصعبؓ بھی ایک جگہ لاشوں کے
درمیان ابدی نیند سو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ اور سکون تھا۔ اُس نے
اللہ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کر دیا تھا۔ مصعبؓ ابن عمیر کو جب کفن دیا جانے لگا۔

گزر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ دنیا سے رحلت فرما جائیں۔ یا شہید ہو جائیں۔ تو تم اپنے پاؤں (اسلام
سے) پھر جاؤ گے۔

اس آیت نے دو مقامات پر بہت انقلابی کام کیا ہے۔ ایک جنگ اُحد میں مصعب رضؓ
بن عمیر کی زبان سے کہ صحابہ کے حوصلے بلند ہوئے۔ اور وہ مجتمع ہو کر دشمن کا مقابلہ کرنے لگے
اور ـــــ دوسرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے جب اس
نازک موقع پر صحابہ کی ڈھارس بندھی۔ اور وہ جرأت سے فتنوں کا مقابلہ کرنے لگے۔

تو کپڑا چھوٹا تھا۔ اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا۔ اور اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود دفن کر رہے تھے۔ آپ کے حکم سے سر کو ڈھانپ دیا گیا۔ اور پاؤں پہ اذخر نامی گھاس ڈال دی گئی۔ اللہ اللہ! کیا شان ہے آج ہم لوگ معیارِ زندگی بلند کرنے اور اپنا مستقبل درخشندہ کرنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتے ہیں۔ اور ادھر وہاں مصعب ابن عمیرؓ اس عالم میں سپردِ خاک کیے جا رہے تھے کہ کفن بھی پورا نہ تھا۔ انہوں نے معیارِ زندگی کو پاؤں کی ایک ٹھوکر سے پاش پاش کر دیا تھا۔ اور اہلِ دنیا کو یہ سبق دیا کہ تم مستقبل کے لئے اس قدر بے چین ہو؟ ہاں ضرور ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ مستقبل کیا ہے؟ مستقبل تو وہ ہے جو حیات نو کے بعد آئے گا۔ یہ چند روزہ زندگی تو بہت جلد قصۂ پارینہ بن جائے گی۔ مستقبل کے لئے اگر کچھ پس انداز کرنا ہے تو دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال کا خیال بھی دل سے جھٹک دو۔ رضائے الٰہی کو زندگی کا منشور بنا لو۔ حق کو جب کوئی شخص سچے دل سے قبول کر لیتا ہے۔ اور اپنے آپ کو خدائے واحد کی بندگی اور نبی آخر الزمانؐ کی اطاعت میں دے دیتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے بہار و خزاں کے معیار ہی بدل جاتے ہیں۔ بھلا کون اس بات کا تصوّر کر سکتا تھا۔ کہ مکہ کے ایک مالدار گھرانے کا لختِ جگر ایک دن اس سارے آرام و راحت کو خیر باد کہہ کر اپنے لئے وہ راستہ چُن لے گا جس میں اسے جان کی بازی لگا دینی پڑے گی۔

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کے سامنے ایک بار دسترخوان چنا گیا۔ اس پر انواع و اقسام کے کھانے تھے۔ اس پُر تکلف اور شاہانہ دسترخوان کو دیکھ کر عبدالرحمان بن عوف کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے مصعب ابن عمیرؓ کو یاد کیا۔ جو مکہ کا شہزادہ تھا۔ لیکن جو راہِ حق میں یوں بڑھتا چلا گیا۔ کہ منزل پہ پہنچا۔ تو ننگے پاؤں تھا۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی

مغلوب ہو کر رہنا اسلام کی فطرت کے خلاف ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسلام "کچھ لو اور کچھ دو" کے اصولوں کو تسلیم کر سکتا ہے وہ اسلام کے نصب العین سے بھی واقف نہیں۔ اور اسلام کے ان جاں نثاروں کی زندگی سے بھی آگاہ نہیں جن جاں نثاروں میں سید الشہدا حضرت حمزہؓ جیسے روشنی کے مینار شامل ہیں۔

خاندان اور ابتدائی حالات

آپ کا نام حمزہ اور کنیت ابو عمارہ تھی۔ آپ بنو ہاشم کے سردار عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ عمر میں آپ حضورؐ سے صرف دو سال بڑے تھے۔ ننھیال کی طرف سے بھی آنحضورؐ سے بہت قریبی رشتہ رکھتے تھے۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھیں جو سرکارِ دو عالم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی چچیری بہن تھیں۔ اس کے علاوہ آنحضور علیہ السلام آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ دونوں نے حضرت ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ یہ ثوبیہ حضورؐ کے چچا ابولہب کی کنیز تھیں۔

حضرت حمزہؓ کی طبیعت بڑی مہم جو اور خطر آزما تھی۔ آپ ابھی دس برس کے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور تعلیم و تربیت اپنے بھائیوں اور ننھیال سے حاصل کرتے رہے۔ اس دور میں عربوں کے ہاں زمانہ قدیم کی شاعری اور انساب کا علم ہی تعلیم سمجھا جاتا تھا۔ اور جنگی مہارت، گھوڑ سواری اور شکار معزز فنون تھے۔ جناب حمزہ کو شعر و شاعری سے بھی بڑا شغف تھا۔ آپ کی قبل از اسلام زندگی میں اکثر آپ کے سیر و سیاحت اور شکار کے تذکرے ملتے ہیں۔ آپ بڑے دلیر

اور جنگجو تھے جنگلوں میں جا کر اپنی گھوڑ سواری، نیزہ بازی، شمشیر زنی اور تیر اندازی کے ہنر کو مشق کے ذریعے چمکاتے رہتے تھے۔ ان کے قبول اسلام کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ شکار سے واپس آرہے تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ ابوجہل نے حضور اکرمؐ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ابوجہل کو گستاخی کا مزہ چکھایا۔

قبولِ اسلام | آپ کے قبولِ اسلام کی تفصیلات تقریباً تمام کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جناب حمزہؓ کو بڑی گہری محبت تھی۔ ان کے گھر سے آفتابِ رسالت طلوع ہو کر ملک کے تاریک ترین غاروں میں روشنی پھیلا رہا تھا۔ لیکن انہیں اپنی مہمات سے ہی فرصت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت بڑی عجیب اور طاقتور چیز ہے۔ لوگوں کے ذہن میں کبھی یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ کارخانۂ قدرت میں کیا فیصلے کئے جا رہے ہیں۔ ایسا ہی ایک فیصلہ جناب حمزہؓ کے بارے میں ہوا۔

حضور اکرم علیہ السلام نے مکہ میں دعوتِ حق کا کام شروع کیا تو مخالفتوں کے تیز جھکڑ چلنے لگے۔ لیکن آپ کا روشن کیا ہوا چراغ ان تھپیڑوں اور آندھیوں کے مقابلہ پر اپنی روشنی بکھیرتا رہا۔ ایک دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوجہل نے خانہ کعبہ میں بڑی بدزبانی کی۔ بس اس کی یہی حماقت اسلام کی قوت کا وسیلہ بن گئی۔ حضرت حمزہ حسبِ معمول شکار سے واپس آرہے تھے۔ کوہ صفا کے دامن میں پہنچے تو ایک لونڈی انہیں ملی۔ اس نے کہا "ابوعمارہ! کاش تم اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دیکھتے۔ وہ خانہ کعبہ میں وعظ کر رہے تھے۔ کہ ابوجہل نے انہیں گالیاں دیں۔ اور برا بھلا کہتا رہا۔ محمدؐ اس کے جواب میں خاموشی سے چلے گئے۔"
ہاشمی نوجوان یہ بات سنتے ہی غصہ سے بھر گیا۔ اس کی آنکھوں سے

انگارے برسنے لگے۔ وہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر سیدھا اس جگہ پہنچا جہاں رئیس مکہ ابوجہل بیٹھا تھا۔

جوشِ انتقام میں ڈوبا ہوا نوجوان حمزہؓ جوں ہی ابوجہل کی مجلس میں پہنچا۔ حاضرین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ حمزہؓ نے ابوجہل کے سر پہ کمان مارتے ہوئے گرج کر کہا۔ "کیا تو سمجھتا ہے۔ کہ محمدؐ بن عبداللہ بے سہارا ہے؟ کیا تو نے سمجھ لیا ہے۔ کہ بنو ہاشم سارے کے سارے مر گئے ہیں"؟

یہ ایک عجیب منظر تھا۔ مکہ میں اس وقت عملاً ابوجہل مخزومی کی قیادت و سیادت کا ڈنکا بجتا تھا۔ عبدالمطلب کی زندگی تک تو تمام قریش انہیں اپنا لیڈر سمجھتے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد ابوجہل ہی رئیس الوادی کے لقب سے سرفراز تھا۔ ابوسفیان باوجود ایک بڑے قبیلے کا سردار ہونے کے ابوجہل کی زندگی میں نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا۔ ابوجہل کے میدان بدر میں قتل ہو جانے کے بعد مکہ میں ابوسفیان کو متفقہ قائد مانا گیا۔

حضرت حمزہؓ کے اس اقدام کے خطرناک نتائج بھی برآمد ہو سکتے تھے لیکن حمزہؓ وہ نوجوان تھا جس کی طبیعت میں بزدلی کا عنصر قطعاً ناممکن تھا۔ اس کی رگوں میں عبدالمطلب و ہاشم کا خون دوڑ رہا تھا۔ اور اسے احساس تھا۔ کہ اس کے آباؤ اجداد نے وادیٔ مکہ میں اپنی شجاعت و مردانگی کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اور اب ان کی عظیم روایات کی پاسداری اس کا اولین فرض تھا۔ وہ نتائج و عواقب سے بے خبر گستاخِ رسول کو مزا چکھانے آیا۔ بنو مخزوم کے کچھ لوگ اس موقع پر برافروختہ ہو گئے۔ لیکن ابوجہل نے فوراً انہیں روک دیا۔ اور کہا "اسے کچھ نہ کہو میں نے بھی آج اس کے بھتیجے کو بڑی گالیاں دی تھیں"۔

حضرت حمزہؓ کی آتشِ انتقام سرد ہوئی تو وہ سیدھے اپنے بھتیجے کے پاس پہنچے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت دار ارقم میں صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ حضرت حمزہؓ نے جاتے ہی سارا واقعہ سنا دیا۔ اور کہا "بھتیجے! خوش ہو جا! تیرا بدلہ میں نے لے لیا ہے"۔

آنحضورؐ نے فرمایا: "عمّ محترم! میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں میں اس وقت حد سے زیادہ خوش ہوں گا۔ جب آپ اس دین میں داخل ہو جائیں جس کو لے کر میں آیا ہوں۔"

خدا کے آخری نبیؐ کے ان الفاظ میں کچھ ایسی تاثیر تھی۔ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ اور یوں اسلام کو ایک جان باز سپاہی اور ایک طاقت ور سہارا مل گیا۔

ہجرت | مکہ سے نبوت کے تیرھویں سال تمام صحابہؓ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔ حضرت امیر حمزہؓ بھی حفاظت اسلام کی خاطر مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ پہنچے۔ آنحضورؐ نے مدینہ میں حضرت حمزہؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ میں بھائی چارہ کرا دیا حضرت حمزہؓ اپنے بھائی سے والہانہ محبّت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ بقولِ مورخ اسلام ابن سعد جب کبھی کسی جنگ یا مہم پر جانے تو حضرت زیدؓ کو وصیّت کرتے۔

معرکہ ہائے کارزار میں | ہجرت کے فوراً بعد حضور اکرمؐ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو کفّار کے مقابلہ پر روانہ فرمایا۔ میدانِ جنگ میں کفار اور مسلمان باقاعدہ صف بندی کر چکے تھے۔ کہ اسی اثنا میں قبیلہ بنو جہینہ کے سردار ابن عمرو نے طرفین میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اِس مہم میں اسلامی تاریخ میں پہلی بار جس کو عَلَم دیا گیا۔ وہ جناب امیر حمزہ رضؓ تھے۔

اس مہم کے کچھ عرصہ بعد حضور اکرمؐ نے خود تقریباً ساٹھ صحابہ کے ساتھ ابوا کی طرف کوچ کیا۔ تاکہ قریش مکہ کی نقل و حرکت کا سدّباب کیا جا سکے۔ اس غزوہ میں حضرت حمزہؓ اسلامی فوج کے علمبردار تھے۔ قریش کا قافلہ جا چکا تھا لیکن اس مہم کا یہ فائدہ ہوا کہ ابوا کے قرب و جوار میں رہنے والے قبیلہ سے دوستانہ معاہدہ ہو گیا

بدر کے میدان میں | ۲ھ میں ابو جہل ایک ہزار مسلّح جوانوں کا لشکر تیار کر کے

مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

بدر کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ اور کفر و اسلام کی پہلی جنگ کا آغاز ہوا۔ صف آرائی کے بعد قریش کا سردار عتبہ اور اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید میدانِ جنگ میں نکلے۔ تینوں فنونِ حرب کے ماہر استاد تھے۔ ان کے مقابلے پر انصاری جوان میدان میں آئے۔ لیکن قریش نے کہا۔ کہ نہیں، ہمارے مقابلے پر قریش کے جوان ہی آئیں۔ تب خدا کے رسولؐ نے اپنے گھر سے ہی ابتدا فرمائی۔ اور حکم دیا۔ کہ حمزہؓ بن عبد المطلب، ابو عبیدہؓ بن حارث بن عبد المطلب اور علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب مقابلہ پر جائیں۔ حضرت حمزہؓ نے پہلے ہی وار میں عتبہ کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو ختم کر دیا۔ اور ابو عبیدہؓ اور شیبہ میں دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ حضرت ابو عبیدہ زخمی ہو گئے۔ لیکن شیبہ زندہ نہ بچ سکا۔ قریش نے یک بارگی ہلہ بول دیا۔ اور ان جوان مردوں کو نرغے میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر اسلامی لشکر بھی ٹوٹ پڑا۔ حضرت حمزہؓ جدھر کا رُخ کرتے۔ کافروں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینکتے جاتے۔ انہوں نے اپنی دستار میں شتر مُرغ کی کلغی لگا رکھی تھی۔ کفار جب شکست کھا کر بھاگے۔ تو انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا "یہ کلغی والا کون تھا" ——— کسی نے بتایا "حمزہ" ——— اس پر وہ بولے "ہمارے جوانوں کو اس کی تلوار ایسے ہی کھا گئی۔ جیسے آگ گھاس پھونس کو کھا جاتی ہے۔"

معرکۂ اُحد اور رتبۂ شہادت

۳ھ میں ابو سفیان بدر کا بدلہ لینے کے لئے حملہ آور ہوا۔ اُحد کے دامن میں جنگ ہوئی۔ کفار کی طرف سے سباع نکلا۔ اور مبارزت طلب کی۔ حضرت حمزہؓ نے رجزیہ شعر پڑھے "کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے لڑنے آیا ہے ...." پھر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد تمام لڑائی شروع ہوئی۔ تو حضرت حمزہؓ کی شمشیرِ بے نیام نے صفوں کی صفیں اُلٹ دیں ایک

حبشی غلام وحشی کو کچھ سرداران قریش نے آزادی کا لالچ دے کر کہہ رکھا تھا۔ کہ حمزہؓ
قتل کر دو گے۔ تو آزاد کر دیئے جاؤ گے۔ اس نے تاک میں بیٹھ کر آپ پر نیزہ پھ
جو جگر کے پار ہو گیا۔ دشمنوں نے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

آپ کی شہادت پر قریش کی عورتوں نے خوشی سے جھوم جھوم کر
ترانے گائے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے (جو عتبہ کی بیٹی شیبہ کی بھتیجی اور
کی بہن تھی) اپنے اعزّہ کا بدلہ لینے کے لئے جناب حمزہؓ کے جگر کے ٹکڑے
انہیں چبایا اور تھوک دیا۔ ناک اور کان کاٹ لئے اور ان کا ہار بنا کر گلے میں
لیا۔ حضور اکرمؐ نے جنگ کے بعد شہدائے اُحد کی تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا
شاہِ کونینؐ اپنے محبوب چچا کی لاش کے قریب آئے۔ اور اس کے ٹکڑے بکھ
ہوئے دیکھے۔ تو آنکھوں سے بے اختیار آنسو اُبل پڑے۔ فرمایا: تم پر خ
رحمت ہو۔ تم رشتہ داروں کے حقوق کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور تمام نیک کا
میں سب سے آگے آگے رہتے تھے۔ اگر مجھے صفیہؓ کے رنج و غم کا خیال
تو میں اسی طرح چھوڑ دیتا۔ کہ درندے اور پرندے تمہیں کھا جائیں۔ اور قیا
روز تم ان کے پیٹ سے اٹھائے جاؤ۔ خدا کی قسم مجھ پر تمہارا انتقام واجب
میں تمہارے عوض ستر کافروں کا مثلہ کروں گا۔"

بعد میں وحی الٰہی نے اس کی ممانعت کر دی۔ اور آپ نے کفّارہ
کر کے قسم توڑ دی۔

حضرت صفیہؓ جو حضورؐ کی پھوپھی، حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن اور حضرت ز
بن عوام کی والدہ تھیں۔ انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی۔ کہ انہیں اپنے
آخری دیدار کرایا جائے۔ حضورؐ نے کہا: "پھوپھی جان! لاش کی بے حرمتی کی
آپ اس دردناک حالت میں انہیں دیکھیں گی۔ تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ

انہوں نے کہا "میرے بھتیجے! میں نہ روؤں گی نہ پیٹوں گی۔" اس کے بعد انہوں نے شہید بھائی کی لاش کے ٹکڑے بکھرے ہوئے دیکھے۔ لیکن زبان مبارک سے صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ط کہہ کر سر جھکا لیا۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل کا معاملہ وحشی نے آزادی حاصل کرنے کی خاطر سید الشہداء کو دھوکے سے شہید تو کر دیا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد اسے اس واقعہ پر سخت ندامت ہوئی۔ اس کے دل میں بار بار خیال پیدا ہوتا تھا۔ کہ اسلام قبول کرلے۔ لیکن پھر وہ سوچتا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے ہاتھوں پیغمبر اسلام کو بہت بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ ایک عرصہ تک وہ یہی سوچتا رہا تا آنکہ قرآن مجید کی یہ آیت سن لی

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا	(اے پیغمبر اسلام! میرے ان بندوں سے
عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا	جو اپنی جانوں پر زیادتی (گناہ) کر چکے ہیں۔
مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ط اِنَّ	کہہ دو کہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں۔
اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا	بیشک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے
اِنَّہٗ ہُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ہ	اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے)

یہ آیت سُن کر وحشی کے دل میں امید کی کرن پیدا ہوئی۔ وہ چپکے سے مدینہ آیا۔ اور حضور اکرم علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی۔ آنحضورؐ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ "کیا تم وحشی ہو؟"

اس نے جواب دیا "جی ہاں"

آپؐ نے فرمایا: "تم نے حمزہؓ کو قتل کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "حضور کو جو کچھ معلوم ہے۔ وہ درست ہے"

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام قبول کر لیا۔ آنحضورؐ نے وحشی سے کہا۔ تمہارا اسلام تو اللہ نے قبول کر لیا۔ لیکن تم میرے سامنے نہ آیا

کرو۔ مجھے حمزہؓ کا قتل اور وہ دردناک منظر یاد آجاتا ہے۔ جبکہ حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا
حضرت وحشیؓ سر تسلیم خم کر کے بارگاہ نبوی سے اٹھے۔ اور پھر عمر بھر
حضورؐ کے سامنے نہ آئے۔

حضرت وحشیؓ دل میں جب بھی واقعہ اُحد کو یاد کرتے ان کا دل بے چین
ہو جاتا۔ ان کی دلی خواہش یہ تھی۔ کہ انہیں کوئی ایسا موقع ہاتھ آئے۔ جس سے
ان کا داغ دور ہو جائے۔ وہ اسی انتظار میں زندگی کی گھڑیاں گزار رہے تھے۔ کہ
بالآخر وہ موقع بھی انہیں نصیب ہو گیا۔ آنحضورؐ کی وفات کے بعد پورا عرب فتنوں
کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ مختلف علاقوں میں جھوٹے مدعیانِ نبوت نے شورش بپا کر
رکھی تھی۔ انہیں لوگوں میں سے سب سے خطرناک آدمی بنو حنیفہ کا سردار مسیلمہ کذاب
تھا۔ اس نے حضورؐ کی زندگی ہی میں دعویٰ نبوّت کر دیا تھا۔ اور آنحضور نے اُسے
کذّاب قرار دیا تھا۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کے مقابلہ پر
فوج روانہ کی۔ جناب وحشیؓ اُس فوج میں شامل تھے۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔
بیشمار مسلمان جامِ شہادت نوش کر گئے۔ جناب وحشی اپنا نیزہ ہاتھ میں لئے مسیلمہ
کی تلاش میں تھے۔ جوں ہی وہ ان کی زد میں آیا۔ انہوں اس پر نیزہ پھینکا جو اس کے دل
کے پار ہو گیا۔ مسیلمہ گرا تو انہوں نے جھپٹ کر اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کا قتل ہونا تھا
کہ دشمن کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور یمامہ و نجد کی فضاؤں میں اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔
اس واقعہ کے بعد وحشی کہا کرتے تھے۔ کہ میں نے اسلام کے ایک جانباز مجاہد کو
قتل کر کے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اس کی تلافی میں نے جنگِ یمامہ میں کر دی۔
جنگ میں میں نے اللہ کے باغی اور اس کے رسولؐ کے دشمن کو مار گرایا۔

—÷—

حضرت عباس بن عبد المطلبؓ

حضرت عباسؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ عمر میں وہ حضور اکرمؐ سے چند سال ہی بڑے تھے جناب عبد المطلب کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کے ذمہ حجاج کو پانی پلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ حضرت عباسؓ کی والدہ مدینہ کے قبیلے خزرج سے تھیں۔ تاریخ میں آتا ہے۔ کہ بچپن میں حضرت عباسؓ ایک مرتبہ گم ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نے اُن کی گمشدگی پر نذر مانی۔ کہ اگر میرا لختِ جگر مجھے مل گیا۔ تو میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھاؤں گی۔ حضرت عباسؓ جب مل گئے۔ تو ان کی والدہ نے اپنی نذر بڑی دھوم دھام سے پوری کی۔ غلاف ریشمی کپڑے سے تیار کیا گیا۔ اور مجمع عام میں کعبہ کو اس قیمتی اور پُرشکوہ غلاف سے مزین کیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں تبلیغ کا آغاز کیا "تو اکثر بنو ہاشم اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ (ابن) حارث، حضرت حمزہؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ باقی ماندہ بنو ہاشم میں سے چند افراد ایسے تھے۔ جو اسلام کے مقابلے پر شدید قسم کی مزاحمت کر رہے تھے۔ اور پیغمبر حق کے زبردست دشمن تھے۔ ان میں سے ایک حضور اکرمؐ کے چچا ابو لہب اور دوسرے ان کے چچا زاد بھائی ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب تھے جن کے اسلام دشمنی کے زہر میں بجھے ہوئے تند و تیز اشعار حضور اکرمؐ کو بڑا دکھ پہنچایا کرتے تھے۔ لیکن ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب خوش قسمت انسان تھے۔ کہ ایک عرصہ تک اسلام اور پیغمبر اسلام سے عداوت و دشمنی رکھنے کے بعد آخر کار نور ہدایت

سے مستفید ہوئے۔ اور جماعت صحابہؓ کے ایک عظیم المرتبت رکن بن گئے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ — (اللہ ذوالجلال جسے ہدایت دینا چاہے۔ اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے)

ان افراد کو چھوڑ کر دوسرے تمام بنو ہاشم حالتِ کفر میں ہونے کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھرپور تعاون اور معاونت کے مظاہرے کرتے رہے۔ ان معاونین میں بھی دو ہستیاں ایسی تھیں۔ جو ہر آڑے وقت میں آنحضور کے ساتھ رہیں۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کرتی رہیں۔ یہ دونوں حضور اکرمؐ کے چچا تھے۔ ایک ابوطالب بن عبدالمطلب کہ جن کے اخلاق و اعمال اور صبر و استقلال کی مثال کہیں نہ مل سکتی تھی۔ لیکن جن کی قسمت میں اسلام قبول کرنے کی سعادت نہ تھی۔ اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود باپ دادا کے دین کو نہ چھوڑ سکے۔ ابوطالب بن عبدالمطلب نے حضور پر ہونے والا ہر وار اپنے سینے پر برداشت کیا۔ مگر اسلام کے چشمۂ صافی کے فیض بخش مشرب سے محروم رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر دلی صدمہ تھا آپ کی اسی کیفیت کے جواب میں خالقِ باری تعالیٰ نے سورۂ قصص میں فرمایا ہے۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ — (اے پیغمبر علیہ السلام آپ کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ جسے چاہیں ہدایت دے دیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کسی کی ہدایت کا فیصلہ کرتی ہے)

خوش قسمت انسان

اس سلسلہ کی دوسری شخصیت حضرت عباس بن عبدالمطلب کی ہے۔ انہوں نے بھی قبولِ اسلام سے قبل اپنے بھائی ابوطالب کی طرح اپنے بھتیجے اور اللہ کے پیغمبر کا ہر میدان میں ساتھ دیا۔ اور پھر ان کی زندگی میں وہ یادگار دن بھی آیا۔ جب انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

قبولِ اسلام سے قبل حضرت عباس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض تبلیغی مہمات میں شریک بھی رہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر حضرت عباس آنحضور کے ساتھ تھے۔ اہل یثرب کے بہتر افراد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ اور درخواست پیش کی۔ کہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ میں سکونت اختیار کرلیں۔ اس مطالبہ کو سُن کر حضرت عباس رضؓ نے یثربی وفد کے ارکان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اہلِ یثرب! تم جانتے ہو۔ کہ ہم نے محمدؐ (علیہ السلام) کی ہر حال میں حفاظت کی ہے۔ پورے عرب کے مقابلے میں ہم نے ان کا ساتھ دیا ہے۔ اب تم انہیں اپنے شہر میں آنے کی دعوت دے کر ایک نازک ذمہ داری اختیار کر رہے ہو۔ اگر ان کی حفاظت کا حق ادا کر سکو۔ تو بہتر، ورنہ ابھی سے سوچ لو۔ کل کی بے وفائی سے آج کی معذرت زیادہ قابلِ قبول ہے۔"

حضرت عباس کے یہ الفاظ قبولِ اسلام سے پہلے کے ہیں لیکن الفاظ سے ان کے اس احساسِ ذمہ داری کا اندازہ ہوتا ہے جو آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں۔

جنگ بدر کے قیدی عباس بن عبد المطلب مشرکین مکہ کے مجبور کرنے پر جنگ بدر میں شریک ہوئے اور گرفتار کر کے مدینہ لائے گئے۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے جن ستّر کو گرفتار کیا۔ ان میں عباس بن عبد المطلب کے علاوہ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب بھی شامل تھے۔ اسیرانِ جنگ کو مسجد نبوی میں رکھا گیا حفاظتی تدابیر کے طور پر ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ کی مشکیں اتنی کس کر باندھی گئی تھیں۔ کہ وہ آرام نہ کر سکے اور درد سے کراہنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے میں سخت بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدل رہے تھے! ایک صحابی نے حضور کو اس قدر پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی۔ آنحضور نے بتایا کہ عباسؓ کے کراہنے

کی آواز جوں ہی میرے کانوں سے ٹکراتی ہے۔ میری نیند اڑ جاتی ہے۔ وہ صحابی چپکے سے اٹھے۔ اور جا کر حضرت عباس کی مشکیں ڈھیلی کر دیں تب وہ آرام سے سو گئے۔ اور پیغمبر برحق نے بھی چین کا سانس لیا۔

حضورؐ نے اسیرانِ جنگ کے آرام کا خاص خیال رکھا بعض اسیروں کا اپنا بیان ہے۔ کہ مسلمانوں نے بھوکے پیٹ راتیں گزاریں۔ اور ہمیں اچھے سے اچھا کھانا دیا۔ آنحضرت علیہ السّلام نے اسیرانِ جنگ کے پھٹے پرانے کپڑے دیکھے۔ تو حکم دیا۔ کہ قیدیوں کو ان پھٹے کپڑوں کی جگہ اچھے کپڑے پہنائے جائیں۔

مدینہ کی ریاست نے جنگ بدر نہایت تنگی کے حالات میں لڑی تھی۔ افلاس اور غربت کا دور دورہ تھا۔ لیکن اس عالم میں بھی صحابہؓ نے اپنے کپڑے لا لا کر قیدیوں کو پہنائے۔ حضرت عباس طویل قامت تھے۔ ان کا کرتہ پھٹا ہوا تھا۔ اور ان کے جسم پر کوئی کرتہ پورا نہ آتا تھا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جو ایک لمبا اور خوش پوش آدمی تھا۔ اپنا کرتہ لا کر حضرت عباس کو پہنا دیا۔ حضور اکرمؐ نے اس کی یہ بات یاد رکھی۔ اور اس کی وفات کے بعد اس کا بدلہ اتار دیا۔

رہائی اس مرحلے پر ایک سوال یہ بھی پیدا ہوا۔ کہ ان قیدیوں سے کیا سلوک کیا جائے۔ صحابہؓ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا۔ کہ قیدی اگر انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ تو انہیں رہا کر دیا جائے۔ یا فدیہ دے کر

ؔ وہ صحابی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آنحضورؐ نے فرمایا "مَالِیْ لَا اَسْمَعُ اَنِیْنَ الْعَبَّاسِ" یعنی کیا بات ہے کہ میں رب عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سن رہا؟ اس پر صحابی رسولؐ نے سارا واقعہ سنایا۔ حضورؐ نے واقعہ سننے کے بعد فرمایا "فَافْعَلْ ذٰلِکَ بِالْاُسَارٰی کُلِّھِمْ" تمام قیدیوں کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرو اور سب کی مشکیں کھول دو۔ چنانچہ تمام قیدیوں کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ یہ تھی مساواتِ محمدی جس کے نعرے لگانے والے آج عملاً اس کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔

گردن خلاصی کرائیں۔ حضرت عباسؓ کے ننھیال بنو خزرج نے حضور اکرمؐ سے جا کر درخواست کی۔ کہ عباس چونکہ ہمارا نواسہ ہے۔ اس لئے اس سے فدیہ نہ لیا جائے۔ بلکہ تعلق داری کو ملحوظ رکھ کر رہائی کا حکم صادر کیا جائے۔ لیکن حضورؐ نے اس معاملے میں کسی کو کسی پر ترجیح دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے اپنے بھتیجوں نوفل بن حارث اور عقیل بن ابیطالب کا فدیہ بھی ادا کر دیا۔

حضرت عباسؓ نے فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب جنگ حنین کا مرحلہ آیا۔ تو مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کثرتِ تعداد کی وجہ سے ان کا خیال تھا۔ کہ اب ہمارے مقابلے میں کوئی فوج نہیں جم سکتی۔ لیکن بنو ہوازن کے تیر اندازوں نے اس زور سے تیر اندازی کی۔ کہ ایک بار تو ساری فوج تتر بتر ہو گئی۔ یہ جنگ بڑی آزمائش کی گھڑیاں اپنے ساتھ لائی۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ۔۔۔۔ وَلَوْ كَثُرَتْ

"اور یوم حنین کو یاد کرو۔ جب تمہیں تمہاری کثرتِ تعداد نے دھوکے میں ڈال دیا۔ پھر تمہاری جمعیت تمہارے کسی کام نہ آسکی۔ باوجودیکہ اس کی تعداد کثیر تھی۔ رب اللہ نے اپنی نصرت بھیج کر تمہیں فتح عطا کی"

اس جنگ میں حضرت عباسؓ نے حضور اکرمؐ کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی۔ اور آپ کے ساتھ دشمن کی جانب آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ جب مسلمان فوج تتر بتر ہو گئی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا: "صحابہؓ کو آواز دو" ۔۔۔۔۔ حضرت عباسؓ کی آواز اتنی بلند تھی۔ کہ بہت دور تک سنی جا سکتی تھی۔ انہوں نے زور سے پکار کر کہا: این اصحاب السمرۃ "ببول کے درخت والے کہاں ہیں؟" اس سے مراد اصحاب بیعت رضوان تھے۔ جنہوں نے ببول کے درخت

کے نیچے حضور اکرمؐ کے ہاتھ پر بیعت وفا کی تھی) اس آواز کو سُن کر تمام صحابہؓ لپکے۔ اور حضور اکرمؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ دشمن کے سخت ترین حملوں کے باوجود حضور اکرمؐ آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے اس چیز نے جنگ کی صورت حال کو سنبھال لیا۔

غزوہ حنین کے بعد بھی حضرت عباس تمام معرکوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ آپؐ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین بھی حضرت عباسؓ کی بڑی تعظیم کرتے۔ اور تمام اُمور میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب خشک سالی کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ اور سال بھر تک بارش نہ ہوئی۔ تو خلیفہ دومؓ نے حضرت عباسؓ سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے بڑی عاجزی کے ساتھ خدا کے حضور میں دعا کی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دعا ابھی ختم بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ بادل اُمڈ آئے۔ اور پیاسی زمین بارش سے سیراب ہو گئی۔ اس پر صحابہؓ نے انہیں "ساقیٔ حرمین" کا لقب دیا۔

ساقیٔ حرمین حضرت عباس بن عبدالمطلب نے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دورِ خلافت میں بعمر اٹھاسی سال وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جعفر طیارؓ

حضرت جعفر طیارؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہؓ میں شامل ہیں۔ آپ کی تمام زندگی اسلام کی خدمت میں گزری۔ آپ نے ہمیشہ حفاظت دین کے لیے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ اور اسی عظیم الشان کام میں ان کی متاعِ حیات کام آئی۔ آپ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے سگے بھائی تھے۔ آپ کی عمر جناب علی کرم اللہ وجہہ سے دس برس زیادہ تھی۔ لیکن قبول اسلام میں حضرت علیؓ سبقت لے گئے تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب ابو طالب مکہ سے باہر کسی جگہ سے گزرے۔ تو انہوں نے اپنے بھتیجے حضور اکرمؐ اور اپنے بیٹے علیؓ کو ایک ساتھ کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ اس وقت جعفر بھی اپنے والد کے ساتھ تھے۔ ابو طالب نے اپنے دو عزیزوں کو ایک ساتھ کھڑے دیکھا۔ تو وہ انہیں بہت ہی پیارے اور بھلے معلوم ہوئے۔ جعفر سے کہا۔ "بیٹا! تم بھی اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جاؤ!"

جعفر ابھی داخلِ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ باپ کے کہنے پر بائیں جانب کھڑے ہو گئے۔ اور حضور اکرمؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اس نماز کی ادائیگی میں انہیں ایسا لطف آیا کہ اسی وقت قبولِ اسلام کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔

آپ سے پہلے صرف تیس یا انتیس آدمی مسلمان ہوئے تھے۔

حبشہ کی جانب ہجرت مکہ میں قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر کچھ مسلمان حضور اکرمؐ کی اجازت سے حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت جعفرؓ بھی تھے ہجرت

حبشہ کے دوران میں ان کے تمام جوہر کھل کر سامنے آئے۔ قدرت نے انہیں اعلیٰ
صلاحیتوں سے نوازا تھا چنانچہ اس موقع پر انہوں نے اپنی ان خداداد صلاحیتوں
سے دین برحق کی بھرپور خدمت کی۔ جب مسلمانوں کی جماعت ہجرت کر کے مکہ سے
نکل گئی۔ تو قریش کو پتہ چلا۔ انہوں نے ساحل سمندر تک تعاقب کیا۔ مگر مسلمان حبشہ
چکے تھے۔ اس ناکامی کے بعد قریش نے ایک اور چال چلی۔ اور مکہ کے دو جوانوں
عمرو ابن العاص اور ابن الولید مخزومی کو شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا۔
ان سفیروں نے نجاشی کے دربار میں رسائی حاصل کی۔ اور اسے بتایا۔ کہ مکہ سے کچھ لوگ
بغاوت کر کے بھاگ آئے ہیں۔ اور انہوں نے حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ ہمیں
ان کے بزرگوں اور سرپرستوں نے بھیجا ہے۔ کہ ہم انہیں واپس لے جائیں۔

حبشہ کا عیسائی فرمانروا نجاشی بڑا منصف مزاج آدمی تھا۔ اس نے یک طرفہ
فیصلہ کرنے کی بجائے مہاجرین کو دربار میں طلب کیا۔ اور ان سے صورت حال دریافت
کی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے باہمی مشورہ کیا۔ اور متفقہ طور پر اپنی طرف سے جعفرؓ بن
ابی طالب کو حق نمائندگی تفویض کر دیا۔ حضرت جعفرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دربار
میں پہنچے۔ نجاشی نے پوچھا "کیا تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنے
بزرگوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے؟" اس سوال کے جواب میں حضرت جعفرؓ نے
بڑی فصیح و بلیغ تقریر کی۔ جس کے کچھ فقرات اس مضمون میں نذر قارئین کیے جائیں گے

حضرت جعفرؓ کی تقریر کا ذکر آیا ہے۔ تو یہ بھی تذکرہ ہو جائے۔ کہ اللہ تعالے
نے بنو طالب کو فن خطابت میں یکتائے روزگار ہونے کا شرف بخشا تھا۔ اس خاندان
میں سے تمام مرد، عورت اور جوان و پیر تقریر کے میدان میں شہسوار تھے۔ ابو طالب
قریش کے بڑے خطبا میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی کئی تقاریر کے اقتباسات ادب عربی
کی کتب میں نقل کیے جاتے ہیں۔ حضور اکرمؐ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے نکاح کے

موقع پر ابوطالب نے دولہا کے سرپرست کی حیثیت سے جو خطبہ پڑھا تھا۔ وہ ادبی لحاظ سے ایک دلپذیر مرقع ہے۔ حضرت علیؓ کی زبان سے الفاظ و فقرات اس طرح نکلتے تھے۔ جیسے موسم بہار میں کلیاں چٹک رہی ہوں۔ آپ نے خوارج کے مختلف گروہوں کے سامنے جو تقاریر کیں وہ فصاحت و بلاغت کے بیش بہا موتیوں کی لڑیاں ہیں۔ حضرت امام حسینؓ نے میدانِ کربلا میں جو خطبے دشمن کی فوج کے سامنے دیئے انکی اثرآفرینی نے ہی حُرؓ بن یزید تمیمی کو یزیدی فوج کی افسری چھوڑ کر میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں شہادت حسینؓ کے بعد اسیرانِ کربلا کی قائدہ جناب زینبؓ بنت علیؓ کی گفتگو اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ اسی طرح عقیلؓ بن ابی طالب کی دمشق کی تقریریں اور مسلم بن عقیل کا خطاب کوفہ اپنی مثال آپ ہیں۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر

حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے دربار میں فرمایا:

"اے بادشاہ! ہماری قوم جہالت کی انتہاء گہرائیوں میں گری تھی۔ بت پرستی اس کا شیوہ بن چکا تھا۔ مُردار کھانا، بدکاری کرنا، کمزوروں اور مظلوموں کی حق تلفی روزمرہ کا معمول تھا۔ ہر بُری بات ہماری گھٹی میں پڑی تھی۔ اور مکمل انحطاط نے ہماری کمر توڑ کے رکھ دی تھی۔ اسی حالت میں اللہ تعالےٰ کو ہم پر رحم آیا۔ اور اس نے ہماری طرف اپنا ایک رسولؐ بھیجا۔ اس رسول نے ہمیں توحید کی تعلیم دی۔ راست بازی، امانت، باہمی اخوت اور کمزوروں کی دادرسی کا سبق سکھایا۔ اس نے سکھایا۔ کہ ایک ہی خدا کی پرستش کی جائے۔ اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اختیار کر کے حرام چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ اے بادشاہ! ہم اس سچے پیغمبر پر ایمان لائے۔ تو ہماری قوم نے مخالفت کی مخالفت نے بڑھتے بڑھتے ستم کی شکل اختیار کر لی۔ اور ہم آپکے وطن میں حفاظتِ دین کی خاطر پناہ گزین ہو گئے۔"

نجاشی نے پوچھا: "تمہارے پیغمبر پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس میں سے کچھ سناؤ"
حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ آپ آیاتِ ربّانی کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور قریش کے سفیر اور ان کے ہمنوا درباری پادری دم بخود تھے۔ ان آیات کی تلاوت سننے کے بعد نجاشی نے سفیروں کو دربار سے نکال دیا۔ اور حضرت جعفر سے کہا: "تم اس ملک میں امن سے رہو۔ تم سے کوئی باز پرس نہ کر سکے گا۔"

مسلمان مطمئن دربار سے نکلے۔ لیکن نجاشی کے پادری اس فیصلے سے خوش نہ تھے۔ انہوں نے قریش کے سفیروں سے تحائف کی صورت میں بھاری رقم حاصل کی تھی۔ اور یوں بھی اس سچّے دین کی موجودگی ان کے لیے خطرہ تھی۔ اس لیے دوبارہ اس مسئلے کو اٹھایا۔ واضح رہے۔ کہ نجاشی کی خدمت میں بھی بیش قیمت تحفے پیش کیے گئے تھے لیکن اُس نے ان کو مسترد کر دیا تھا۔ پادریوں نے سفیروں کو دوبارہ شاہی دروازہ کھٹکھٹانے کا مشورہ دیا۔ اور کہا۔ کہ چونکہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو خدا ابن خدا نہیں مانتے اس لئے بادشاہ کو ان سے بدگمان کرنے کا یہ حربہ کارگر ہوگا۔

سفیروں نے دوبارہ دربار میں جاکر عرض کیا: "بادشاہ سلامت! ان لوگوں نے جس دین کو اختیار کیا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی کوئی تعظیم نہیں کی جاتی۔"

بادشاہ نے دوبارہ مسلمانوں کو طلب کیا۔ حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے اس سوال کے جواب میں کہ اسلام حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا کہتا ہے۔ قرآن کی زبانی یہ جواب دیا۔

"عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ بندہ خدا، کلمہ الٰہی اور رُوحِ مقدس ہے۔ جسے اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا۔"

نجاشیؓ نے جواب سُنا۔ تو ایک تنکا اٹھا کر کہا: "ربّ یسوع مسیحؑ کی قسم!

عیسیٰ ابن مریم کی حقیقت اس تنکے کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہیں ہے۔"

حضرت جعفرؓ کا اعزاز حضرت جعفرؓ نے حبشہ میں اقامت کے دوران اپنی تبلیغ و نصیحت اور خصوصاً اپنے عملی کردار سے وہاں کے اکثر باشندوں کے دل جیت لئے تھے۔ خود بادشاہ بھی آپ سے بہت متاثر تھا چنانچہ جب حضور اکرمؐ کا نامہ مبارک دیگر بادشاہان عالم کی طرح نجاشی کے پاس بھی پہنچا تو اس نے خط کو فرطِ عقیدت سے چوم لیا پھر داخلِ اسلام ہوا اور اپنے قبولِ اسلام کی اطلاع دربار نبوتؐ میں دیتے ہوئے کہا: "اگر حکم ہو میں بنفس نفیس مدینہ میں حاضر ہو جاؤں" —— حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں تحریر فرمایا: کہ تم اپنے ملک میں اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کرو۔ بعد میں اسی خوش نصیب بادشاہ کا ایک خوش نصیب بیٹا اس کے حکم سے شاہ دو عالم کے پاس مدینہ میں عرصہ ... (رہا)

حضرت جعفرؓ حبشہ ہی میں تھے کہ حضور اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں چلے گئے۔ مدینہ میں حضورؐ کے چھ سال قیام کے بعد مہاجر حبشہ جعفرؓ بن ابی طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضور اکرمؐ یہود کا نام زور توڑ کر ان کے پُر غرور سروں کو جھکا چکے تھے۔ خیبر فتح ہو گیا تھا۔ اور مدینہ کے گرد و نواح میں دور دور تک اسلامی پھریرا لہرانے لگا تھا۔ اسی عالم میں حضرت جعفرؓ وارد مدینہ ہوئے۔ آنحضورؐ نے اس موقع پر جعفرؓ کو سینے سے لگا کر چہرہ چوما۔ اور کہا:

"مجھے معلوم نہیں کہ فتح خیبر سے میرا دل زیادہ مسرور ہے۔ یا جعفرؓ کی آمد میرے لئے زیادہ باعثِ مسرت ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جعفرؓ سے دلی محبت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "جعفر صورت اور سیرت میں مجھ سے مشابہ ہے۔" ایک بار آپ نے فرمایا: ہر نبی کے کچھ رفیق ہوا کرتے ہیں۔ میرے چودہ رفقا ہیں۔ اور ان میں سے ایک جعفرؓ بھی ہیں۔"

حضرت ابوہریرہؓ سے جامع ترمذی میں ایک روایت منقول ہے۔ کہ جناب ابوہریرہؓ حضور اکرمؐ کے بعد حضرت جعفر کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔

شہادت کا رتبہ حضرت جعفر کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذہنی ولسانی قابلیتوں سے نوازا تھا۔ اسی طرح وہ شیر کی طرح دلیر اور شجاع تھے۔ حضور اکرمؐ نے شام کے عیسائی بادشاہ کے مقابلے پر ایک فوج بھیجی۔ اور فرمایا: کہ اس فوج کے امیر زیدؓ بن حارثہ ہوں گے۔ اگر وہ شہید ہو جائیں۔ تو جعفرؓ بن ابی طالب اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو امارت کی ذمہ داری عبداللہؓ بن رواحہ پر ہو گی۔ عبداللہ ابن رواحہ کی شہادت کی صورت میں فوج اپنا امیر مقرر کر لینے کی مجاز ہے۔

یہ جنگ جو موتہ کے مقام پر ہوئی۔ اور جسے تاریخ میں جنگ موتہ کے نام ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام کی اہم اور عظیم جنگوں میں سے ایک تھی۔ مسلمانوں کی تین ہزار فوج کے مقابلے پر دشمن کی ایک لاکھ فوج تھی۔ جنگ شروع ہوئی۔ حضرت زیدؓ داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔ حضرت جعفرؓ نے علم قیادت ہاتھ میں لیا۔ اور دشمن پر تابڑ توڑ حملے کیئے۔ دشمنوں نے وہ ہاتھ کاٹ دیا جس میں حضرت جعفرؓ نے پرچم محمدی تھام رکھا تھا۔ انہوں نے فوراً علم دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ بھی شہید ہو گیا تو حضرت جعفرؓ نے علم کو اپنے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کی مدد سے سینے سے تھامے رکھا۔ اور جب وہ زخمی ہو کر گرنے لگے۔ تو للکار کر مسلمانوں سے کہا۔ کہ دیکھو یہ علم اسلام ہے۔ سرنگوں نہ ہونے پائے ——— علم عبداللہ بن رواحہ نے تھام لیا ان کی شہادت کے بعد یہ علم خالد بن ولید کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اور اس مرد خدا نے دشمن کے دباؤ کو پیچھے دھکیل کر فتح مبین حاصل کی۔ اور دربار رسالت سے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب حاصل کیا۔

ادھر حضور نبی اکرمؐ نے مدینہ منورہ میں اپنے صحابہ کرامؓ کے سامنے جنگ کا

پورا نقشہ کھینچ دیا۔ اور انہیں سارے حالات بتا دیئے۔ حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں۔ میں گھر میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی بچوں کو نہلا دھلا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنا چکی تھی کہ حضور اکرمؐ گھر میں داخل ہوئے۔ اور فرمایا کہ جعفرؓ کے بچے کہاں ہیں؟

جب میں بچوں کو لے کر حاضر ہوئی۔ تو آنحضورؐ نے انہیں اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اور ان کی پیشانیوں کو بوسے دیئے۔ آپ کی آنکھیں آب دیدہ ہو گئی تھیں۔ میں نے پوچھا "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ کیا جعفرؓ کی کوئی خبر آئی ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں جعفرؓ شہید ہو گئے ہیں"

جعفرؓ کی شہادت کے بعد آنحضورؐ اکثر ان کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایک بار آپؐ نے فرمایا: مجھے جعفرؓ کی شہادت کے بعد جبریل نے خوشخبری سنائی ہے۔ کہ جعفرؓ کے کٹے ہوئے بازوؤں کے بدلے ربِّ ذوالجلال نے انہیں دو پر عطا کیے ہیں۔ ان سے وہ جنت میں پرواز کر رہے ہیں "اسی سے حضرت جعفرؓ کا لقب طیار اور ذوالجناحین" پڑ گیا۔ حضرت جعفرؓ میدان موتہ میں جس دلیری اور بے جگری سے لڑے اس کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی زبانی سنیئے۔ وہ کہتے ہیں "میں جنگ موتہ میں شریک تھا۔ میں نے جعفرؓ کو دشمن پر حملے کرتے اور اس کے حملے روکتے دیکھا ہے۔ وہ شیر کی طرح میدان میں لڑ رہے تھے جب وہ شہید ہوئے تو میں نے ان کے جسم کو دیکھا نوّے سے زیادہ زخم ان کے جسم کی زینت بنے ہوئے تھے"

حضرت جعفرؓ بڑے سخی اور فیاض تھے۔ آپ اصحابِ صفہ کو اپنے دسترخوان پر بلایا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ کہ ہم انہیں اپنا سرپرست سمجھتے تھے۔ کئی بار کئی دن فاقوں سے رہتے۔ اور جب جعفرؓ کو دیکھتے۔ تو ان کے ساتھ چل دیتے وہ جو کچھ بھی حاضر ہوتا۔ لا کر سامنے رکھ دیتے۔ کئی بار اُن کے پاس سوائے سوکھے ٹکڑوں کے کچھ نہ ہوتا۔ آپ اپنی شہد کی مشک لا کر اسے پھاڑ دیتے۔ اور ہم اس کے ساتھ لگی ہوئی شہد سے سوکھے ٹکڑے کھا لیتے۔

حضرت عبداللہ المزنی ملقب بہ ذوالبجادینؓ

حضرت ذوالبجادین کا اصلی نام عبدالعزّےٰ ابن عبد نہم تھا۔ آپ قبیلہ
سے تھے۔ بنو مزینہ کا سلسلۂ نسب مضر اور معدّ بن عدنان سے جاملتا ہے۔ یہ
بہت مشہور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ میں تاریخ اسلام کے مشہور سپہ سالار نعمان ابن
مزنی پیدا ہوئے۔ جو فتح عراق میں بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں (خصوصاً جنگ
میں) یہ چھ بھائی تھے۔ اور بنو مقرن کے نام سے پکارے جاتے تھے سبھی
شجاعت و بہادری اور فنِ سپہ گری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اسی قبیلہ
عبدالعزّےٰ نے آنکھ کھولی۔

قبولِ اسلام سے پہلے

عبدالعزّیٰ ابھی بچّہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے ا
اس کی والدہ نے اسے پالا پوسا۔ جب جوان ہوا تو چچا نے اسے بکریوں کا ایک
دیا۔ اور بہت سے اونٹ بھی دیئے۔ اس طرح عبدالعزّیٰ کو معاشی لحاظ سے گ
میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ تبلیغ کی شہرت چند ہی سال میں
دور تک پھیل گئی تھی۔ مکہ میں جو بھی قافلے حج یا تجارت کی غرض سے آتے
حضورِ پاک ان کے سامنے توحید کا پیغام پیش فرماتے۔ مکہ اور اس کے گرد و نواح
اجتماعات تبلیغ اسلام کا ایک بہترین ذریعہ بن گئے تھے۔ تاریخ میں آتا ہے
عکاظ میں جو عرب کا سب سے عظیم الشان میلہ لگتا تھا۔ اور جس میں تقریباً
جزیرہ نمائے عرب سے لوگ شامل ہوتے تھے۔ حضور اکرمؐ اپنا پیغام حق

منانے تھے۔ اس موقع پر آپ کی بڑی سخت مخالفت بھی ہوتی تھی۔ آپؐ کا
بوالہب آپؐ کے ساتھ ساتھ لگا رہتا۔ جوں ہی آپ بات کرنے کی کوشش کرتے
ب مٹی کی مٹھی بھر کر آپؐ کے منہ پر دے مارتا۔ اور کہتا۔" لوگو! اس کی بات
منا یہ مجنوں ہے۔" (معاذ اللہ) بہر حال آپ کی دعوت سن کر لوگ واپس جاتے
ابل کی محفلوں میں یہ دعوت موضوعِ بحث بنی رہتی۔ اس طرح بیشمار پرستارانِ
غائبانہ طور پر اسلام کی طرف راغب ہو چکے تھے۔

عبد العزّیٰ بھی ——— جو آگے چل کر ذوالبجادین بنے ———
ہنلاشیانِ حق میں سے تھے۔

ی کب تک چھپا رہتا عبد العزّیٰ دل سے توحید کا قائل ہو گیا تھا۔ اُسے اس
م کی حقانیت میں کسی قسم کا شک نہ تھا۔ جو محمدؐ رسول اللہ نے پیش کیا تھا۔
لمان تو ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی تک اس نے اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا تھا۔ جب مکہ فتح
یا۔ تو عرب کے تمام قبائل جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اس قدر
ل وفد بنا کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام قبول کیا۔ کہ اس سال کو
الوفود" کہا جانے لگا۔ عبد العزیٰ کا خیال تھا۔ کہ اب تو اس کا چچا بھی مدینہ جا کر
ر دو عالم کے دربار میں حاضری دے گا۔ اور اسلام میں داخل ہو گا۔ اور یوں اس
۔ لئے بھی راستہ کھل جائے گا۔ پھر اسے قبول اسلام سے کوئی نہ روک سکے گا
ن اس کے چچا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور ایک صحرائی مقام پر اپنی بکریوں اور
ٹوں کی افزائش نسل میں مصروف تھا۔ انتظار کرتے کرتے عبد العزّیٰ تھک گیا۔ اس نے
ی بات زبان پر لانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ اپنے چچا کے پاس گیا۔ اور اس سے کھل کر
مدعا بیان کر دیا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد عبد العزّیٰ اپنے چچا کو محسن سمجھتا
۔ اس نے عمر بھر اپنے چچا کے سامنے کبھی اونچی بات نہ کی تھی۔ اور نہ ہی کبھی اس

کی کسی بات سے اختلاف کیا تھا۔ مگر اب ایک موڑ ایسا آگیا تھا جہاں سے دونوں
کی راہیں الگ الگ ہونے والی تھیں۔ اب حق کی بات دبائے نہ دبتی تھی۔ دل میں
ایک آگ لگی ہوئی تھی۔ اور اس کے شعلے اب چھپائے نہ چھپ سکتے تھے۔

عبدالعزیٰ نے اپنے چچا سے کہا "پیارے چچا! میں مدتوں سے اسلام
کی تڑپ دل میں لئے ہوں۔ میں ہمیشہ آپ کے فیصلوں کا پابند رہا ہوں۔ اب بھی
میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں۔ کہ کب آپ اسلام قبول کرتے ہیں۔ لیکن اب بیتاب
ہوگیا ہوں۔ آپ نہ معلوم اسلام قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ مجھے تو اپنی عمر کا کوئی بھر
نہیں میں اجازت چاہتا ہوں کہ اسلام قبول کر لوں"۔

عبدالعزیٰ کے چچا نے فرماں بردار بھتیجے کی یہ گفت سنی۔ تو بہت غصے
اور کہا "خبردار! اگر تو نے محمدؐ بن عبداللہ کا دین اختیار کر لیا۔ تو میں سب کچھ تجھ سے
چھین لوں گا"۔

یہ سن کر عبدالعزیٰ نے فوراً جواب دیا "مجھے مال و دولت کی ہرگز پروا
نہیں۔ میں ضرور اسلام قبول کروں گا۔ اور محمدؐ رسول اللہ کا اتباع کروں گا۔ آپ جو
کریں میں شرک اور بت پرستی سے سخت متنفر ہوں۔ آپ یہ سارا زر و مال سنبھا
مجھے یقین ہے۔ کہ یہ سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا۔ اور انسان کے ساتھ صرف
اس کے اعمال جائیں گے۔ اور قبر کی تاریکی میں ایمان کی روشنی ہی اس کا سہارا بنے
لہٰذا میں دنیا کے لئے دین کو ترک نہیں کر سکتا"۔

عبدالعزیٰ کی یہ بات سن کر اس کے چچا نے کہا "اچھا یہ بات ہے تو پھر
کپڑے بھی اتار دو۔ اور یہاں سے چلے جاؤ"۔

عبدالعزیٰ نے کپڑے اتار پھینکے۔ اور مادر زاد برہنہ ہو کر اپنی ماں کے پاس
گیا۔ ماں نے اسے اس حال میں دیکھا۔ تو سخت پریشان ہوئی۔ عبدالعزیٰ ایک

میں دبک کر بیٹھ گیا۔ اس کی ماں نے اسے ایک کمبل دیا۔ مردِ حق آگاہ نے وہ کمبل بدن کے گرد لپیٹ لیا۔ ماں نے پوچھا "یہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟"

عبد العزیٰ نے کہا "مَیں مسلمان اور موحد ہو گیا ہوں۔ چچا نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ مَیں اب مدینے جا رہا ہوں، جہاں میرا اَن دیکھا محبوب، میرا رہنما اور میرا ہادی جلوہ افروز ہے۔"

الوداعی کلمات کہنے کے بعد عبد العزیٰ وہاں سے رخصت ہوا۔

اس کی منزل مدینہ تھی۔

دِل یا شکم یہ مردِ درویش گھر سے نکلا۔ اور بڑی شان سے نکلا۔ اس نے کمبل پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے بنا لیے تھے۔ ایک تہبند کے طور پر باندھ لیا۔ اور دوسرا جسم پر تھا۔ اور اِس شان سے وہ منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انسان کی راہ میں حق قبول کرنے کے سلسلے میں بڑی مشکلات آیا کرتی ہیں۔ حُبِّ مال و دولت اور ہوس زر انسان کے قدم باندھنے کی کوشش کرتی ہے۔ کمزور انسان حق کا گلا دبا دیتا ہے۔ اور نفس کے حکم کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس کا دل ایک بات کی گواہی دیتا ہے لیکن عمل اس گواہی کے اُلٹ ہوتا ہے۔ ایسا شخص دنیا کی نگاہ میں لاکھ زیرک اور فہیم سہی۔ لیکن فی الحقیقت پرلے درجے کا بیوقوف ہوتا ہے۔ وہ متاعِ حقیر کی خاطر نجاتِ ابدی قربان کر دیتا ہے۔ قبولِ حق کی راہ میں عزیز و اقارب اور برادری کی محبت بھی رُکاوٹ بنتی ہے۔ یہ رشتہ داریاں بھی بسا اوقات دامن کھینچ لینے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اور آدمی نورِ حقیقت کو دیکھ لینے کے باوجود تاریکی میں ہی رہتا ہے۔ عبد العزیٰ کے سامنے بھی یہی رکاوٹیں پوری شان و شوکت کے ساتھ آئیں۔ لیکن اس نے ان کو ایک ضربِ مجاہدانہ سے پاش پاش کر دیا۔ وہ چچا کی از حد عزت کرتا تھا۔ لیکن جب چچا اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے پر مصر ہوا۔ تو اس نے چچا کو چھوڑ دیا۔

اصحابِ صُفّہ میں شمولیت

مدینہ کی راہ تھی۔ اور عبدالعزّیٰ کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدم۔ وہ بڑی محبت اور اشتیاق سے دیارِ محبوب کی طرف رواں دواں تھا۔ ساری ساری رات وہ سفر کرتا رہا۔ صبح دم وہ مدینے میں داخل ہُوا۔ مسجد نبوی کی ایک دیوار سے تکیہ لگایا۔ اور بیٹھ گیا۔

حضور اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے۔ تو پوچھا "تم کون ہو؟"

جواب دیا "میں ایک غریب الدیار مسافر ہوں۔ میرا نام عبدالعزّیٰ ہے۔"

آنحضورؐ نے فرمایا "تمہارا نام عبداللہ ہے۔ اور تمہارا لقب ذوالبجادین (یعنی دو کمبلوں والا) تم اگر طالبِ حق ہو۔ تو ہمارے مہمان ہو۔ اور یہیں ہمارے قریب رہو"

یوں عبدالعزّیٰ عبداللہ بنے اور یوں سب کچھ چھوڑ کر آنے والے کو ہادیٔ برحق کا مہمان بننے کا شرف حاصل ہوُا۔ انہوں نے اصحابِ صفہ کے ساتھ مسجد نبوی میں رہائش اختیار کر لی۔ اب وہ دن رات قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ تاریخِ اسلام میں بہت پائے کے لوگ ہیں۔ صُفّہ عربی میں چبوترے کو کہا جاتا ہے۔ مسجد نبویؐ میں ایک چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اس پر حضور اکرمؐ کے وہ صحابہ مقیم تھے جن کا کوئی گھر بار نہ تھا۔ اور جن کی زندگی تعلیماتِ اسلامیہ سیکھنے کے لئے وقف تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اسی صف میں شامل تھے۔ حضور اکرمؐ کا علمی ورثہ زیادہ تر اصحابِ صُفّہ ہی کے ذریعے امت تک پہنچا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے تمام صحابہؓ میں سے زیادہ احادیث یعنی پانچ ہزار احادیث روایت کی ہیں۔

حضور اکرمؐ نے غزوہ تبوک کی تیاری کا اعلان کیا۔ تو حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا "یارسول اللہؐ دعا فرمایئے۔ میں راہِ خدا میں شہادت پاؤں۔"

آپؐ نے فرمایا: "جاؤ کسی درخت کا چھلکا اُتار لاؤ۔"

جب وہ چھلکا اتار کر لائے تو آپ نے ان کے بازو پر باندھ دیا۔ اور کہا:
اُلٰہی! مَیں اس کا خون کفار پر حرام کرتا ہوں"

عبداللہ نے کہا: "یارسول اللہ! مَیں تو شہادت کا طلبگار ہوں"
آپؐ نے فرمایا: "جب تم جہاد کی نیت سے نکلو اور بخار میں مبتلا ہو کر مرجاؤ، تو تم شہید ہو، اور اللہ کے ہاں تمہارا اجر مقدر ہے"
تبوک پہنچ کر بالکل یہی ہوا۔ حضرت عبداللہ بخار میں مبتلا ہوئے اور دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت بلالؓ بن حارث مزنی نے تدفین کی کیفیت اپنے اپنے انداز میں بیان کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا کہنا ہے کہ رات کی تاریکی میں مَیں نے روشنی دیکھی۔ مَیں فوج سے نکل کر روشنی کی طرف گیا۔ مَیں نے دیکھا۔ کہ بلالؓ کے ہاتھ میں شمع ہے۔ اور عبداللہ ذوالبجادین کو دفن کیا جا رہا ہے۔ حضور اکرمؐ قبر کے اوپر کھڑے تھے۔ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ قبر میں اُتر کر اپنے شہید بھائی کی لاش قبر میں اتار رہے تھے۔ حضور اکرمؐ بڑی محبت سے کہہ رہے تھے

اَدِّبَا اِلَیَّ اَخَاکُمَا اور "اپنے بھائی کا ادب ملحوظ رکھو۔ اپنے
اَکْرِمَا اَخَاکُمَا بھائی کا احترام ملحوظ رکھو"

پھر آپ نے دعا فرمائی: "اے باری تعالیٰ! مَیں آج شام اس سے راضی تھا پس تو بھی اپنے اس بندے پر راضی ہو جا"

حضرت عبداللہ ابن مسعود لکھتے ہیں۔ کہ جب انہوں نے یہ قابل رشک منظر دیکھا، تو کہا: "اے کاش! اس قبر میں آج مجھے دفن کیا جاتا"

—:—

حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضؓ

جب کبھی ہجرت نبوی کا تذکرہ کیا جائے گا۔ سراقہؓ بن مالک بن جعشم کا ذکر اس میں لازماً آئے گا۔ سیرت النبیؐ پر جتنی بے شمار کتب لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سراقہ کے ذکر سے مزین ہے۔ سراقہ قبیلہ بنو مدلج کا فرد تھا۔ اس کے باپ کا نام مالک اور دادا کا جعشم تھا۔ سراقہ اپنے باپ سے زیادہ دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور عام لوگ اسے سراقہ بن جعشم ہی سمجھتے ہیں۔ اس کا قبیلہ بنو کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ قبیلہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام "قدید" پر رہائش پذیر تھا۔ اس کے گرد و نواح میں ابوا اور عرج کے مقامات ہیں۔ ابوا وہی جگہ ہے۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا انتقال ہوا تھا۔ قدید کے قریب ایک اور مشہور مقام رابغ تھا۔ اور اس پورے علاقے میں بنو مدلج صاحبِ اقتدار و شرف تھے یہ ایک بدوی قبیلہ تھا۔ جس میں بدویانہ خصائل پورے آب و تاب کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ سراقہ خود بہت اچھا شہ سوار تھا۔

انوکھا تعاقب سراقہ کا ذکر تاریخ میں اس وقت آیا۔ جب کہ حضور اکرمؐ کی ہجرت کے وقت اس نے آپ کو گرفتار کرنے کا عزم کیا۔ اس واقعہ کی تفصیل تاریخ میں موجود ہے۔ اس کے مطابق جس رات حضور اکرمؐ نے ہجرت کی۔ اس رات آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا تھا۔ قریش مکہ نے ہر خاندان میں سے ایک یا دو نوجوان منتخب کئے۔ یہ چودہ نوجوان تھے[1]۔ ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ جونہی آنحضورؐ گھر سے باہر قدم رکھیں۔

---

[1] ان میں سے گیارہ تو میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہو گئے اور باقی تین بچ گئے
بقیہ اگلے صفحہ پر

سب کے سب یکبارگی ان پر حملہ کردیں۔ لیکن محاصرہ کے باوجود خدا کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور بخیر و عافیت دشمنوں کے گھیرے کو توڑ کر ابوبکر صدیق کے گھر پہنچ گئے۔ دشمن کی چال اور سازش ناکام ہو چکی تھی۔

اس ناکامی کے بعد قریش مکہ نے اعلان کر دیا۔ کہ جو شخص محمد بن عبداللہ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے ایک سو سرخ اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے۔ یہ اعلان سنتے ہی کئی شہ سوار ایک سو اونٹ حاصل کرنے کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ان ہی میں سے ایک سراقہ بن مالک بھی تھا۔ اُسے معلوم تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ جا رہے ہیں۔ تو اس کے علاقے سے ہو کر گزریں گے۔ اس نے اپنی گھوڑی تیار کی۔ عمدہ لباس زیب تن کیا۔ اور جسم پر ہتھیار سجا کر نکل کھڑا ہوا۔ اُدھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ عامر بن فہیرہ کے ساتھ اونٹنیوں پر سوار مدینہ جا رہے تھے۔ سراقہ بن جعشم نے انہیں دیکھ لیا۔ اور سمجھا۔ کہ اس نے میدان مار لیا ہے۔ اس نے سوچا کہ اب تو بس مکہ پہنچنے کی دیر ہے۔ ایک سو سرخ اونٹ میری ملکیت ہوں گے۔ حضور اکرمؐ نے سراقہ کو آتے دیکھا اس کی گھوڑی سرپٹ دوڑی آ رہی تھی۔ آپؐ نے دعا کی "اے اللہ دشمن کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ"

دعا فوراً قبول ہوئی۔ سراقہؓ کی گھوڑی ٹھوکر کھا کر گری۔ اور ہوا کے دوش پر سوار سراقہ زمین پر آ رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

یہ ابوسفیان بن حرب حکیم بن حزام اور جبیر ابن مطعم تھے۔ تینوں فتح مکہ کے موقع پہ مسلمان ہو گئے تھے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ان چودہ سرداروں نے خود محاصرہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے دارالندوہ میں منصوبہ تیار کیا تھا۔ اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے کچھ اور لوگ تیار کئے گئے تھے۔

سراقہ کے دل میں اچانک خیال پیدا ہُوا کہ یہ کوئی معجزہ ہے۔ اور جس شخص کو مَیں گرفتار کرنے جا رہا ہوں وہ واقعی خدا کا پیغمبر ہے۔ مجھے اب توبہ کرکے واپس چلے جانا چاہیئے۔ کیونکہ ان کو گرفتار کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ لیکن فوراً ہی لالچ اور نفس امّارہ نے اسے قائل کیا۔ کہ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے۔ گھوڑے عموماً ٹھوکر کھا کر گر ہی پڑتے ہیں۔ اگر میری گھوڑی گر گئی ہے۔ تو کون سی اچنبھے کی بات ہے۔

بعض تواریخ میں یہ واقعہ یوں بھی مذکور ہے۔ کہ گھوڑی کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے اور گھوڑی ایک قدم آگے نہ بڑھ سکی۔ اس صورتِ حال سے گھبرا کر سراقہ نے حضور اکرمؐ سے التجا کی۔ اُنجُرنِی یَا مُحَمَّد" (اے محمدؐ! مجھے بچایئے")

آپؐ نے دعا فرمائی۔ اور سراقہ کی گھوڑی کے پاؤں زمین سے نکل آئے۔ اس کے باوجود سراقہ نے دل سے توبہ نہ کی۔ وہ سمجھا۔ کہ چونکہ زمین نرم تھی اسلیئے گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے ہیں۔ اس نے پھر آنحضورؐ کو گرفتار کرنے کے لئے گھوڑی پر چھلانگ لگا دی اور اسے آپ کے پیچھے دوڑا دیا۔ اب حضور اکرمؐ ایک پتھریلی زمین پہ آچکے تھے۔ جونہی وہ آپ کے قریب پہنچا۔ دوبارہ اس کی گھوڑی کے چاروں پاؤں زمین میں پھنس گئے۔ اس وقت سراقہ نے نہایت لجاجت سے عرض کیا:

"اے محمدؐ! مجھے معاف کر دیجیئے۔ مَیں آئندہ نہ تو غدر کروں گا۔ اور نہ ہی قریش مکہ کو اطلاع دوں گا۔"

حضور پاکؐ نے دوبارہ سراقہ کو معاف کر دیا۔ آپؐ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سراقہ اس دن تیرا کیا حال ہوگا جب کسریٰ بادشاہ ایران کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔"

سراقہ نے یہ بات سنی۔ اور دل میں خیال کیا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ بھلا کہاں ایران کا بادشاہ کسریٰ اور اس کے سونے کے کنگن۔ اور کہاں مَیں عرب

صحرا نشیں بدو۔

بہرکیف اس بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ جس شخص کو گرفتار کرنے وہ آیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی غیبی ہاتھ تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس شخص پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی جس کی گرفتاری کے لئے دشمنوں نے ایک سو اونٹ مقرر کر رکھا ہے۔

قبولِ اسلام سراقہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا۔ بلکہ فتح کے سال دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ آنحضور کے تعاقب میں ناکامی کے بعد واپسی پر سراقہ نے ابوجہل کو ایک منظوم پیغام بھیجا۔ سراقہ بہت اچھا شاعر بھی تھا۔ اس کا پیغام طویل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

أَبَا حَكَمٍ وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا   لِأَمْرِ جَوَادِي إِذْ تَسُوْخُ قَوَائِمُهْ

عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْكُكْ بِأَنَّ مُحَمَّدًا   رَسُوْلٌ بِبُرْهَانٍ فَمَنْ ذَا يُقَاوِمُهْ

عَلَيْكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَإِنَّنِيْ   أَرٰى أَمْرَهُ يَوْمًا سَتَبْدُوْ مَعَالِمُهْ

ترجمہ (۱) اے ابوالحکم (ابوجہل) خدا کی قسم اگر تو اس وقت موجود ہوتا جب کہ میری گھوڑی کے چاروں پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے۔ تو......

(۲) تو جان لیتا۔ کہ محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اور ان کے پاس برہان موجود ہے۔ پھر کسی قسم کے شک میں مبتلا نہ رہتا۔ بھلا ایسے رسول کامل کے مقابلہ میں کون ٹھہر سکتا ہے۔

(۳) تجھ پر لازم ہے۔ کہ محمدؐ کے پیچھے قوم کو دوڑانے کی بجائے قوم کو اس کام سے روک دے۔ کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ اس کا معاملہ ایک دن ظاہر ہو کر رہے گا۔ (اور اس کا جھنڈا سربلند ہوگا)

اس کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سراقہ نے بالکل صحیح حالات ابوجہل

کے سامنے پیش کر دیئے تھے ۔ اس کے ساتھ ہی ان اشعار سے یہ حقیقت
بھی واضح ہو جاتی ہے ۔ کہ سراقہ نے اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
قبولِ اسلام کا اقرار نہ کیا تھا ۔ لیکن اس کا دل اسلام کی حقانیت اور حضور پاکؐ کی
رسالت کی سچائی کا قائل ہو گیا تھا ۔

جب فتح مکہ کے بعد حضرت سراقہ اسلام میں داخل ہوئے ۔ تو انہوں نے
حضور اکرمؐ سے کچھ سوالات کئے ۔ اور حضورؐ نے ان کے جوابات دیئے اسی سوال
و جواب کے سلسلے میں یہ حدیث کتب احادیث میں محفوظ ہے ۔ کہ سراقہؓ بن جعشم
نے پوچھا ۔ "یا رسول اللہ ! اگر کوئی گم شدہ اونٹ میرے اونٹوں کے حوض پر آجائے
اور میں اسے پانی پلا دوں تو کیا مجھے اس کا اجر ملے گا ۔" آنحضورؐ نے فرمایا : کہ ہر جاندار
چیز کو کھلانے پلانے میں اجر ہے ۔

جس بدوی ماحول اور معاشرے میں سراقہؓ بن جعشم رہتے تھے ۔ وہاں پانی
کی بڑی قلت تھی ۔ اور کوئی قبیلہ اپنے حوض پر کسی دوسرے شخص کو یہ اجازت نہیں
دیتا تھا ۔ کہ وہ اپنے اونٹوں اور مویشیوں کو پانی پلائے ۔ کجا یہ کہ کسی گم شدہ اونٹ
کو پانی پلایا جائے ۔ سراقہؓ کا سوال اس بات کی نشاندہی کرتا ہے ۔ کہ اسلام قبول کرنے
کے بعد وہ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اسلام کی راہنمائی چاہتے تھے ۔

اے سراقہ! ہاتھ آگے بڑھائیے حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت
میں ایران کی عظیم الشان سلطنت ملیامیٹ ہو گئی ۔ ایران کے طاقتور اور مشہور
زمانہ جرنیل رستم کو میدانِ جنگ میں حضرت ہلال بن علقمہ نے قتل کر دیا ۔ فتح کے بعد
مجاہدین کے قائد حضرت سعد بن ابی وقاص نے مالِ غنیمت اونٹوں پر لاد کر مدینہ
کو بھجوایا ۔ مدینہ میں جب یہ سارا مال و دولت پہنچا ۔ تو اسے مسجد نبویؐ کے صحن میں
ڈھیر کر دیا گیا ۔ وہاں سونے چاندی ، ہیرے ، جواہرات اور زیورات کا انبار لگ

گیا۔ فاروق اعظم نے دیکھا۔ تو ان میں ایران کے بادشاہ کسریٰ کے سونے کے کنگن
بھی تھے۔ آپ کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آگیا۔ کہ "سراقہ! اس دن تیرا کیا
حال ہوگا۔ جب کسریٰ شاہ ایران کے سونے کے کنگن تیرے ہاتھوں میں پہنائے
جائیں گے" ——— فاروقِ اعظم نے فرمایا: "جاؤ سراقہ بن جعشم کو بلا لاؤ"۔

فوراً ایک ایلچی سراقہ کے پاس پہنچا۔ اور انہیں امیر المومنینؓ کا پیغام دیا۔ سراقہؓ
مدینہ کی جانب چل پڑے۔ جب مسجد نبویؐ پہنچے تو صحابہؓ کی ایک جماعت وہاں اُن کی
منتظر تھی۔ فاروق اعظمؓ نے سراقہؓ سے کہا: "اپنے ہاتھ آگے بڑھائیے"

دوسرے ہی لمحے امیر المومنینؓ نے ان کے ہاتھوں میں شاہ ایران کے سونے
کے کنگن پہنا دیئے۔ اور بلند آواز سے "اَللّٰہُ اَکْبَر" کا نعرہ لگایا۔ ان کے ساتھ صحابہؓ کی
پوری جماعت نے اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ کہ مدینہ کی وادیاں گونج اٹھیں۔ پھر
حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کا شکر ہے۔ جس نے یہ سونے کے کنگن کسریٰ بن ہرمز شہنشاہ
ایران سے چھین لئے۔ اور انہیں عرب کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کے ہاتھوں
میں پہنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کسریٰ کو ذلیل و خوار کر دیا جس نے اللہ کی زمین میں
اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اور جو مخلوقِ خدا کا معبود بنا بیٹھا تھا۔

سراقہؓ نے کفار مکہ کے سردار کو اسلام دشمنی سے باز رکھنا چاہا تھا۔ وہ تو باز
نہ آیا۔ البتہ ان کی زندگی میں باطل کا ایک بہت بڑا ستون ٹوٹ کر گرا۔ اور اب اس
کے سونے کے کنگن انہی سراقہؓ کے ہاتھوں میں تھے۔

عکرمہ بن عمرو بن ہشامؓ

حضرت عکرمہؓ بن ابو جہل مکہ کے بہت اونچے اور معروف خاندان سے تعلّق رکھتے تھے۔ آپ ابوجہل ابن ہشام ابن مغیرہ المخزومی کے لختِ جگر تھے۔ آپ کے والد کا نام عمرو بن ہشام تھا جس کی قوم ــــ اسے ابوالحکم کی کنیّت سے یاد کرتی تھی مگر اسلام دشمنی کی وجہ سے مسلمانوں نے اس کا نام ابوجہل رکھ دیا۔ اور اسی نام سے اسے آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ ابوجہل ابنِ ہشام اپنی پوری قوم قریش میں بہت معزز اور واجب الاحترام سردار سمجھا جاتا تھا۔ اس کا دبدبہ اور رسوخ اتنا زیادہ تھا کہ دارالندوہ میں کوئی معاملہ اس وقت تک منظور نہ ہوتا جب تک ابوجہل کی طرف سے اس پر صاد نہ کیا جاتا۔ اس کو چونکہ ابوالحکم (حکمتوں کا باپ یعنی صاحبِ عقل و دانش) کہا جاتا تھا۔ اس لئے ہر آدمی مشکل وقت میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

حضور اکرمؐ کی دُعاء ابوجہل کے سیاسی معاشرتی مقام اور قبائل میں اثر و رسُوخ کے پیشِ نظر حضور اکرمؐ نے بارگاہِ ربّانی میں دعا کی تھی ــــ "الٰہی! عمرو بن ہشام اور عمر ابن خطاب میں سے کسی ایک کو قبول اسلام کی توفیق بخش تاکہ اسلام غالب ہو سکے" ــــ حضور اکرمؐ کی یہ دعا حضرت عمرؓ ابن خطاب کے حق میں منظور ہو گئی۔

ابوجہل کا معاندانہ رویّہ ابوجہل نے اسلام کے راستے میں ہر قسم کی رکاوٹیں کھڑی کیں۔ وہ کمزور مسلمانوں خصوصاً لونڈی غلاموں پر حد سے زیادہ مظالم ڈھاتا تھا۔ حضرت سمیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (حضرت عمارؓ بن یاسر کی والدہ ماجدہ) ابوجہل ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئیں۔ مکہ میں یہ سب سے پہلی شہادت تھی جو اسلام

کے سلئے پیش کی گئی ۔ اور جس کی سعادت ایک خاتون کو نصیب ہوئی ۔

خاندانی مفاخرت ابو جہل بنو مخزوم میں سے تھا ۔ اس قبیلہ میں بڑے بڑے رؤساء اور مالدار افراد تھے ۔ ولید بن مغیرہ ابو جہل کا چچا تھا ۔ یہ اتنا مالدار تھا کہ سارے قریش مل کر ایک سال خانہ کعبہ کا غلاف تیار کراتے تھے ۔ اور دوسرے سال تنہا ولید یہ خدمت سر انجام دیتا تھا ۔ ولید اور ابو جہل دونوں چچا بھتیجا اسلام کے مقابلے میں اپنی تمام چالیں چلا کرتے تھے ۔ اور مسلمانوں کو قسم قسم کی ایذائیں پہنچا کر اسلام چھوڑنے پر مجبور کرتے ۔ ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کے معاندانہ روّیہ کی وجہ سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالےٰ نے وعید کی آیات بھی نازل کی ہیں ابو جہل کہا کرتا تھا ۔ کہ اگر پیغمبر کسی کو بنایا ہی جانا تھا ۔ تو پھر مکہ اور طائف کے بڑے سرداروں میں سے کیوں نہ یہ اعزاز کسی کے حصّہ میں آیا ۔ قرآن نے کفارِ مکہ کا یہ قول سورۃ زخرف میں نقل کیا ہے ۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (قرآن) (یہ قرآن مکہ اور طائف کی کسی بڑی شخصیّت پر کیوں نہ نازل کر دیا گیا)

ابو جہل یہ بھی کہا کرتا تھا ۔ کہ " ہم نے ہمیشہ بنو ہاشم سے مقابلہ کیا ہے ۔ اگر بنو ہاشم نے سخاوت کے دریا بہا دیئے ۔ اور جانور ذبح کر کے مہمان نوازی کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں ۔ تو ہم نے ان سے بڑھ کر جانور ذبح کئے ۔ اور ان سے زیادہ لوگوں کو کھانا کھلایا ۔ اگر بنو ہاشم نے شہ سواری اور شمشیر زنی میں اونچا مقام حاصل کیا ۔ تو ہم نے ان سے آگے بڑھ کر دادِ شجاعت دی ۔ اور اپنا لوہا منوالیا ۔ لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ بنو ہاشم نے اب نبوّت کا ڈھونگ (نعوذ باللہ) رچا لیا ہے "

یہی بات تھی جو ابو جہل اور اس کے بعض دوسرے ساتھیوں کے لئے راہِ حق کی طرف آنے میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی ۔ لیکن یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ محض

خاندانی عصبیّت ہی لوگوں کو راہِ حق سے دور رکھنے کا موجب تھی۔ آخر ابولہب تو بنوہاشم میں سے تھا۔ اور عبداللہ ابن عبدالمطلب کا حقیقی بھائی یہی تو ہے جس نے حضور اکرم کی پیدائش کی خبر اپنی لونڈی ثوبیہ کی زبانی سنی۔ اور خوشی میں جھوم اٹھا۔ پھر اس کنیز کو ہمیشہ کے لیئے آزاد کر دیا۔ اس کے گھر میں گھی کے چراغ جلے۔ اور دیگیں پکیں دعوتیں اڑائی گئیں۔ اور خوشی کے شادیانے بجے۔ لیکن وہی ابولہب تھا۔ کہ چالیس سال بعد اسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبداللہ کی زبانی دعوت حق کا پیغام سن کر زچ پا ہو گیا۔ اور شہ عرب وعجم کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کیئے۔ اور غیرتِ حق نے جوش میں آکر ابولہب پر اس کا نام لے کر لعنت بھیجی جو قیامت تک اربوں زبانوں سے کھربوں دفعہ دہرائی جائے گی۔

ان سطور کے لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ اس اصولی اور بنیادی بات کو ذہن نشین کرایا جائے کہ حق کی مخالفت میں دراصل کئی وجوہات کام کرتی ہیں۔ لیکن ان کی بنیاد انسانی ذہن پر خواہشات نفس کی آمریّت و تسلط ہی بنتی ہے۔

قبولِ اسلام سے پہلے | یہی ولید اور ابوجہل ہیں۔ کہ جن کے اپنے بیٹوں اور پوتوں نے بعد میں اسلام کے لیئے تن من دھن کی بازی لگادی۔ بھلا سیف اللہ ابوسلیمان خالدؓ بن ولید اور شہید اسلام عکرمہ بن ابوجہل کے نام سے تاریخ کا کون سا طالبعلم بے خبر ہوگا۔ یہ انہی دشمنانِ اسلام کے بیٹے تھے۔ لیکن ان سے قدرتِ کاملہ نے کوئی اور ہی کام لینا تھا۔ مذکورہ بالا خاندانی حالات میں عکرمہ بن ابوجہل نے آنکھ کھولی اس ماحول سے ان کا نوجوان ذہن بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے اسلام کی مخالفت میں اپنے باپ کا خوب ہاتھ بٹایا۔ جنگ بدر کے وقت وہ ابھی نوجوان ہی تھے لیکن اپنے باپ کی قیادت میں مسلمانوں سے قتال کرنے آئے۔ باپ تو پہلے ہی معرکۂ حق وباطل میں مارا گیا۔ اور بیٹا اپنے دوسرے ساتھیوں سمیت بھاگ گیا۔

جنگِ اُحد | جنگِ بدر میں ۳۱۳ بے سر و سامان، فاقہ کش مجاہدین کو ایک ہزار کے مسلح لشکر پر جو عظیم اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ اس نے دور دور تک مسلمانوں کی شجاعت کی دھاک بٹھا دی تھی۔ ابوسفیان جو میدان بدر میں نہ آسکا تھا۔ اور جس کے لئے ابوجہل، عتبہ اور شیبہ کے قتل نے قیادت کی راہ کھول دی تھی جنگ کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے قسم کھالی۔ کہ جب تک بدر کے مقتولوں کا بدلہ نہ لے لے چارپائی پر نہ سوئے گا۔ اور نہ سر میں تیل لگائے گا۔ عکرمہ اپنے باپ کے قتل کی وجہ سے آتشِ انتقام میں جل رہا تھا۔ ایک ایک قبیلے میں پُرجوش خطیب اور شعلہ نوا شاعر بھیجے گئے۔ مقتولین بدر کے دردناک مرثیے لکھے گئے۔ اور لات و ہبل کے نام کا واسطہ دیا گیا۔ ایک سال بعد ابوسفیان کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر جرار مدینہ کی طرف بڑھا۔ اُحد پہاڑ کے دامن میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ کفار مجاہدین کے سر بکف حملوں کی تاب نہ لاکر میدان سے بھاگ نکلے۔ قریش کے گھوڑ سوار دستوں کی کمان بنو مخزوم کے دو پُرجوش جوانوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے درّے پر متعیّن تیر اندازوں کو اپنی جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرتے دیکھا۔ خاموشی سے پہاڑی کے پیچھے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ اور کئی میل کا سفر طے کر کے درّے کے راستے مسلمانوں پر آدھمکے۔ یہ دونوں جوان خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل تھے۔ اس کے بعد جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ اور قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۝ (اگر تمہیں زخم لگا ہے۔ تو تم سے پہلے قریشِ مکہ کو بھی زخم لگ چکا ہے)

عکرمہ اور خالد کی فراست اور جنگی چال نے مسلمانوں پر قیامت ڈھادی پیغمبر اسلام کے عزیز چچا اسد اللہ حمزہ بن عبدالمطلب شہید ہو گئے۔ اور ان کی لاش کی بے حرمتی کی گئی۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ اور آپ زخمی حالت

میں ایک گڑھے میں گر گئے۔ مکہ میں جشنِ فتح منایا گیا۔ شراب اُڑی۔ محافلِ رقص و سرود منعقد ہوئیں۔ رنگ رلیاں منائی گئیں۔ شیخ قریش ابوسفیان بن حرب کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ نوجوانوں کی محفلوں میں خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کی ذکاوت و ہمت کا کئی دنوں تک موضوعِ گفتگو بنی رہی۔ ابوسفیان نے اُحد سے واپسی پر جو اعلان کیا تھا کہ ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ اس کی عام تشہیر کی گئی۔

اسلام دشمنی میں مزید اقدام اُحد میں وقتی طور پر فتح حاصل کرنے کے بعد قریش مکہ کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ ابوسفیان چاہتا تھا کہ ایک بار پھر زبردست قوت جمع کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ عکرمہ بن ابی جہل ابوسفیان کی ان کوششوں میں ان کا دستِ راست تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ابوسفیان کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ اور جنگی تیاریوں کے سلسلے میں اپنا مال لٹاتا۔ عرب کے تمام قبائل کو لالچ دیا گیا۔ کہ یثرب فتح ہونے پر ان کو بہت سارا مال دیا جائے گا۔ اور کئی طرح کی عیاشیاں مہیا کی جائیں گی۔ مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کی گئی۔ اور ایک بے انتہا لشکر لے کر ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ یہ سنہ ۵ھ کی بات ہے۔ دشمن کے لشکر کی تعداد اور مسلمانوں کی بے بسی کا نقشہ سورۂ احزاب میں یوں کھینچا گیا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ

(اس وقت کو یاد کرو۔ جب تمہارے دشمنوں کی فوج تمہارے شہر کی ہر اونچی اور نیچی سمت سے تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے چڑھ آئی تھی اور جب حالات اتنے سخت ہو گئے تھے کہ آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور کلیجے منہ کو آنے لگے)

اس جنگ میں عکرمہ بن ابوجہل بڑے جوش و خروش سے شریک تھا۔ اور اپنے دوستوں کو خوب شراب پلا پلا کر اپنے مقتولین کا بدلہ لینے پر اکسا رہا تھا۔ اس جنگ

کا نقشہ ہی اللہ تعالیٰ نے بدل دیا۔ اور نیز ہواؤں کو حکم دیا۔ کہ قریش مکہ کے خیمے اکھاڑ
پھینکیں۔ تمام لشکر میں افراتفری پھیل گئی۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے
آئے تھے۔ نامراد و ناکام واپس لوٹ گئے۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ
اللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۝ عکرمہ اور اس کے ساتھی اس نور کو بجھانے
کی کوشش کر رہے تھے۔ جس نور کی حفاظت آئندہ چل کر انتہائی کٹھن حالات اور شدید
طوفانوں کے مقابلہ پر جان کی بازی لگا کر خود انہیں سرانجام دینا تھی۔ انہیں اس وقت
تک کچھ علم نہ تھا کہ آخر ایک دن اس ہستی کا پرچم تھامے وہ اپنے وطن سے ہزاروں
میل دور محو پیکار ہوں گے۔ جس کا نام و نشان مٹانے کے لئے وہ آج مدینہ کا محاصرہ
کئے ہوئے تھے۔ اللہ نے انہیں ڈھیل دے رکھی تھی۔ اور یہ ڈھیل اُن کے
حق میں خیر و فلاح ثابت ہوئی۔ ان کے دل نورِ ایمانی سے جگمگا اٹھے۔ اور انہوں نے
زمانۂ جاہلیت کے تمام گناہوں کی تلافی کر لی۔ پھر وہ اپنے رب سے اس حال
میں ملے۔ کہ وہ اس سے خوش تھے۔ اور ان کا رب ان سے راضی تھا۔

فتح مکہ اور عکرمہ ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان
حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا۔ جس کی رو سے تمام عرب قبائل کو آزادی دی گئی
وہ چاہیں تو قریش مکہ کے حلیف بن جائیں اور چاہیں تو مسلمانوں سے دوستی قائم کر
لیں۔ اس شرط کی رو سے قبیلہ بنو خزاعہ نے حضور اکرمؐ سے تعلقات قائم کر لئے۔
اور قبیلہ بنو بکر نے قریش مکہ سے دوستانہ عہد کر لیا۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں
قدیم عداوت تھی۔ صلح حدیبیہ کے معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قریش مکہ
کی شہ پر بنو بکر نے بنو خزاعہ پر اچانک رات کی تاریکی میں حملہ کر دیا۔ وہ بے چارے
ہڑبڑا کر اٹھے۔ مگر ہر طرف سے دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں نے ان کا استقبال کیا۔
وہ چونکہ مکہ میں ہی رہتے تھے اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے بھاگ کر خانہ کعبہ

میں پناہ لی۔ مگر ظالموں نے انہیں وہاں بھی پناہ نہ دی۔ خانہ کعبہ کے اندر گھس کر ان کا قتل عام کیا۔ بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عکرمہ بن ابوجہل خود بنفس نفیس حملہ کرنے والوں میں شامل تھے

قبولِ اسلام اس واقعہ کے بعد حضور اکرمؐ نے مکہ کی طرف کوچ کیا۔ حلیف قبیلہ کی امداد اور معاہدہ توڑنے والوں کو سزا دینا ضروری تھا۔ مکہ کے رئیس ابوسفیان پہلے ہی ہتھیار ڈال چکے تھے۔ بلکہ مدینہ پہنچ کر بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مکہ کے تمام سرکش سردار حوصلے ہار چکے تھے۔ اور سب کے سب گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ مکہ میں اگر کسی نے مزاحمت کی۔ تو وہ عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ معمولی سی جھڑپ ہوئی۔ عکرمہ کو اس کے اپنے ہی خاندان کے شہ سوار خالدؓ بن ولید نے مار بھگایا۔ عکرمہ نے نہایت حسرت سے مکہ کو خیرباد کہا۔ مکہ سے نکلتے ہوئے اس نے اپنی قوم کو بہت برا بھلا کہا۔ جس نے "بزدلی اور بے غیرتی" کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہ "دشمن فوج کو بغیر کسی مزاحمت اور مقابلے کے شہر کی حکومت دے دی تھی۔ عکرمہ نے مکہ سے نکلتے ہوئے کہا تھا۔ "ایسے لوگوں کی حکومت تسلیم کر لینے سے وطن چھوڑ جانا اور غریب الدیاری کی زندگی اختیار کر لینا زیادہ بہتر ہے" —— ایک دن تھا۔ کہ محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر سے مجبوراً نکلنا پڑا۔ اور آج اسی شہر میں وہ فاتحانہ داخل ہو رہے تھے۔ عکرمہ جاہلی عصبیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس قسم کے الفاظ استعمال کر رہا تھا۔ لیکن خود اسے بھی علم نہ تھا۔ کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اس کے تصورات اور معیارات بالکل بدل جائیں گے۔

عکرمہ مکہ سے نکل کر یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ بحری جہاز میں بیٹھ کر جزیرہ نمائے عرب سے دور کہیں چلا جائے۔ اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث ابن ہشام نے اسے واپس مکہ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ بعض تاریخوں میں یہ بھی آتا ہے۔ کہ عکرمہ جہاز

پر سوار ہو گیا تھا۔ اور جہاز اتفاق سے کسی زبردست طوفان سے دوچار ہو گیا تھا۔ اس موقع پر جہاز کے تمام ملاحوں نے مسافروں سے کہا ــــــ کہ ایک اللہ کو مدد کے لئے پکارو وہی اس طوفان بلاخیز سے جہاز کو نکال سکتا ہے ــــــ قرآن میں کئی مقامات پر اہل شرک کی نقشہ کشی ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

اِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ ۔

(قرآن)

(جب وہ کسی کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور کوئی خطرہ انہیں آگھیرتا ہے تو ایک اللہ کو اسی کے لئے تمام دین کو خالص کرتے ہوئے (مدد کیلئے) پکارتے ہیں۔ لیکن جب (وہی اللہ) انہیں بخیر و عافیت مصیبت سے نکالتا ہے۔ اور خشکی پر پہنچتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتے ہیں)

گویا کہ ایسا ہی معاملہ عکرمہ کے ساتھ پیش آیا۔ عکرمہ نے دل میں سوچا کہ مکہ سے تو میں نکلا ہی اسی وجہ سے ہوں۔ کہ ایک اللہ کو نہیں مانتا۔ اگر یہاں ایک اللہ کو خالصتہً اسی کے لئے تمام معاملات کی بادشاہی تسلیم کرتے ہوئے پکارنا ہے۔ تو خشکی پر بھی کیوں نہ اسی کو پکارا جائے۔ ایک واقعہ نے ذہن کا دھارا موڑ دیا ــــ عکرمہ واپس مکہ میں آئے۔ اِن سے قبل ان کی بیوی اُم حکیم حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے والد حضرت حارث ابن ہشام سابقون الاولون میں سے تھے۔ اور ابوجہل کے حقیقی بھائی اور عکرمہ کے چچا تھے۔ انہوں نے عکرمہ کے لئے امان طلب کی۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فراخدلی سے امان عطا کردی۔

حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں حاضری

حضور اکرمؐ اپنے جاں نثار صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کہ اچانک عکرمہ بن ابی جہل حاضر خدمت ہوئے ابوجہل کا

بیٹا جب بنی اُمیؐ کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو عجیب منظر تھا۔ دیکھنے والے متجسس تھے۔ کہ کیا بات چیت ہوتی ہے۔ اور عکرمہ پریشان تھا۔ کہ سرزنش ہوگی۔ لیکن وہاں اہل دنیا نے کچھ اور ہی منظر دیکھا۔ حضور اکرمؐ نے اپنے اس قدیم خاندانی اور نظریاتی حریف کو دیکھا تو چہرۂ مبارک پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہونٹوں پر تبسّم کی چاندنی پھیل گئی۔ اور زبان مبارک سے پھول جھڑنے لگے۔ دیکھنے والے یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ کہ حضور اکرمؐ عکرمہ کا استقبال اس طرح کر رہے تھے۔ جیسے کوئی باپ اپنے گمشدہ بچےؐ کو طویل عرصے کے بعد اچانک گھر کے دروازے پر دیکھے۔ یا کوئی بھائی اپنے نہایت عزیز بھائی کو تلاشِ بسیار کے باوجود نہ پا سکے۔ اور یکایک اس سے ملاقات ہوجائے۔ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔ "مَرْحَبًا بِالرَّاکِبِ الْمُهَاجِرِ" (وطن چھوڑ کر جانے والے شہسوار خوش آمدید) سردارِ دو عالم نے مکہ میں بیٹھ کر وادیٔ مکہ کے خاندانی سردار عکرمہ بن ابوجہل کا دل موہ لیا تھا۔ حاضرین مجلس کو عکرمہ کی اس پذیرائی پر رشک آرہا تھا۔ اور عکرمہ اپنے تمام قدیم پیمانہ ہائے خیر و شر کو توڑ کر ایک نئی زندگی میں داخل ہو رہا تھا اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اسلام کا ہی ہو کر رہ گیا۔

حضور اکرمؐ کی نصیحت حضرت عکرمہؓ کے قبولِ اسلام کے وقت آنحضورؐ نے تمام صحابہؓ سے کہا "کہ عکرمہ تمہارے پاس آئے۔ تو زمانۂ جاہلیّت کی ایسی باتیں مت کرنا۔ کہ جس سے اس کا دل دُکھے"۔ چونکہ عکرمہ کے والد اور اس کے خاندان نے اسلام دشمنی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ لیکن عکرمہ نے سچّے دل سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس لئے آنحضورؐ نے صحابہؓ کو تاکید کر دی کہ گزشتہ زمانے کے واقعات دُھرا کر عکرمہ کی دل شکنی نہ کی جائے۔

ایک بار حضرت عکرمہؓ نے حضور اکرمؐ سے درخواست کی۔ کہ "یا رسول اللہ مجھے عکرمہ بن ابوجہل نہ کہا جائے"۔ حضور اکرمؐ نے تمام صحابہؓ کو حکم دے دیا۔ کہ "لَا تُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ

سَبُّ الْاَمْوَاتِ" (مرے ہوئے لوگوں کی وجہ سے زندہ لوگوں کی دل آزاری مت
کرو) اس کے بعد صحابہؓ انہیں عکرمہ بن عمرو ابن ہشام کہتے تھے۔ مضمون کے آغاز میں
واضح کیا جا چکا ہے۔ کہ ابوجہل کی اصل کنیت ابوالحکم تھی لیکن اسلام کے معاملے میں اس
کی ضد اور عداوت کی بنا پر مسلمان اسے ابوجہل کہتے تھے۔ آج بھی اگر کسی مرے ہوئے شخص
کی وجہ سے کسی زندہ کی دل آزاری کی جاتی ہو۔ تو یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ حضرت عکرمہ کی زندگی
میں ابوجہل کو ابوجہل نہیں کہا جاتا تھا۔ لیکن بعد کے زمانہ میں چونکہ وجہ نہی یعنی زندوں کی دل
آزاری معدوم تھی۔ لہٰذا ابوجہل کو اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ اس کی وجہ بھی محض یہ ہے
کہ ایک تو اسلام میں وہ معروف ہی اسی نام سے ہے۔ دوسرے اسلام کے مقابلے پر
اس کی ہٹ دھرمی اتنی واضح تھی۔ کہ قتل ہوتے ہوئے بھی اس نے بالکل کسی قسم کی
مداہنت کرنی گوارا نہ کی۔ فرعون نے اعلان کر رکھا تھا۔ کہ "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى"۔ لیکن بحرہ
قلزم کی موجوں نے جب اس کی مزاج پرسی کی تو پکار اٹھا ـــــ آمَنْتُ بِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ
رَبِّ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ ہ" یعنی اب میں رب العالمین پر ایمان لاتا ہوں۔ وہ رب کہ جو
موسیٰؑ و ہارونؑ کا رب ہے۔ دوسری طرف عمرو بن ہشام نے میدان بدر میں اپنے گلے پر رکھی ہوئی
تلوار کو دیکھا۔ تو اپنے قاتلین سے کہا ـــــ "مجھے افسوس ہے۔ کہ مدینہ کے معمولی درجے
کے کاشتکار مجھے قتل کر رہے ہیں۔ اچھا بہرحال میری گردن نیچے سے رکھ کر کاٹو تاکہ لوگ
دیکھ سکیں۔ یہ رئیس قریش ہے"ــــ اس قدر کفر پر ثابت قدمی تاریخ انسانی میں کم
کم کہیں نظر آتی ہے۔ جس طرح حضور اکرمؐ کو تمام انبیاء میں سے اعلیٰ مراتب سے نوازا
گیا۔ اسی طرح آپ کے مقابلہ پر سخت ترین دشمن کو کھڑا کیا گیا۔

اسلام کی تعلیم — قدرت کا نظام بھی کتنا عجیب ہے۔ نوحؑ کو منصب نبوت دیا مگر
ان کے گھر میں کنعان جیسا ضدی کافر جنم لیتا ہے۔ آذر بت گری و بت فروشی کا کاروبار
کرتا ہے۔ مگر اسی کے ہاں جد انبیاء خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر ابوجہل

جس کے دل و دماغ اور جسم کے ایک ایک روئیں میں مخاصمتِ اسلام کا بیج بویا گیا اسی کے ہاں شہیدِ اسلام عکرمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پیدا ہوتے ہیں۔

قبولِ اسلام کے بعد قبولِ اسلام کے بعد حضرت عکرمہ نے اسلام کی تعلیم حا[صل] کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی۔

ایک دن حضرت عکرمہؓ نے حضور اکرمؐ سے کہا "یا رسول اللہ! مجھے بہ[تر] اور خیر کی تعلیم دیجیے۔" آپ نے فرمایا: شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا [شَرِيْكَ] لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ حضرت عکرمہؓ نے کہا "یا رسول اللہ! اس کی [شہادت] تو میں پہلے ہی دیتا ہوں۔ اور جو بھی میرے پاس آتا ہے۔ اس کو یہی تعلیم دیتا ہو[ں]۔ آپ میرے لیۓ دعائے مغفرت فرمائیں۔" حضور اکرمؐ نے بارگاہِ باری تعالےٰ میں [ہاتھ] اٹھائے۔ اور حضرت عکرمہؓ کے لیۓ دعائے مغفرت فرمائی۔ اس موقع پر حضرت عکرمہ[ؓ] نے کہا۔ "اللہ کی قسم میں نے اسلام کے مقابلے میں کفر کی راہ پر جتنا روپیہ خرچ کیا [اور] اسلام کے خلاف کفر کی حمایت میں جتنی جنگیں لڑی ہیں۔ اس سے کئی گنا زیادہ پی[سہ اسلام] کے لیۓ خرچ کروں گا۔ اور کئی گنا زیادہ جنگیں اسلام کی حمایت میں لڑوں گا۔ او[ر] اللہ کے رسولؐ میں آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ کہ اسلام پر ثابت قدم رہوں گا۔"

سچی بات یہ ہے۔ کہ عکرمہؓ نے اپنے اس قول کو سچ کر دکھایا۔ اسلام کی [راہ میں] انہوں نے اپنا سارا مال لٹا دیا۔ اور اسلام کی خاطر بے شمار جنگیں لڑیں تا آنکہ جنگ [یرموک] میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

مُسیلمہ کذّاب سے مقابلہ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد جب سارے [عرب میں] فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے اسلامی فوجوں کو سارے دشمن[ان اسلام] کی سرکوبی کے لیۓ بیک وقت چاروں طرف روانہ کر دیا۔ اسلام کے سب سے [بڑے] اور طاقتور دشمن جھوٹے مدعئ نبوت مسیلمہ کذاب کے مقابلہ پر حضرت عکرمہؓ بن ابو[جہل]

سرکردگی میں ایک دستہ روانہ کیا۔ بعد میں حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی ان کی امداد کے لئے بھیج دیا گیا۔ اسلامی فوجیں بڑے سخت مقابلے کے بعد دشمن کو شکست دے کر فاتحانہ قلعے میں داخل ہوئیں۔ مسیلمہ کذاب حضرت حمزہؓ ابن عبدالمطلب کے قاتل حبشی وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ وحشیؓ نے قبولِ اسلام کے بعد اپنے جرم کی تلافی کر دی۔ اور جہاں اس کے نیزے سے شبیرِ خدا شہید ہوئے۔ وہاں اس کے نیزے نے مسیلمہ کذّاب کو بھی واصلِ جہنم کر دیا۔

حضرت عکرمہ کی شہادت مسیلمہ کذّاب کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کے بعد حضرت عکرمہؓ ایران و روم کی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ آپ کا ذکر تاریخ میں ان جان نثاروں کے ساتھ آتا ہے۔ جو ہر موقع پر اگلی صفوں میں دشمن سے نبرد آزما رہے جنگِ یرموک میں جیسا کہ حضرت سہیلؓ بن عمرو کے حالات میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہؓ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ آپ ان صحابہؓ میں سے ہیں۔ جنہوں نے دمِ آخریں پیاس کی شدّت کے باوجود محض اس لئے پانی کا ایک گھونٹ نہ پیا۔ کہ ان کے دوسرے بھائیوں کو ان سے زیادہ پیاس ہو گی۔ اور یوں اپنے ہادی و رہنما سے جا ملے۔

حضرت عکرمہؓ کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ستّر سے زیادہ زخم تھے سیف اللہ خالدؓ بن ولید نے اپنے جواں مرد بھتیجے کی لاش خون میں لت پت دیکھی، سر اٹھا کر گود میں رکھ لیا، چہرے پر بوسہ دیا۔ اور کہا "زَعَمَ ابْنُ حَنْتَمَہ اَنْ لَّا نُسْتَشْهَدُ" (ابنِ حنتمہ کا خیال تھا۔ کہ ہم (بنی مخزوم) شہادت نہیں پائیں گے۔ اب دیکھ لو۔ کہ ہم نے کس شان سے شہادت پائی ہے۔) ابنِ حنتمہ سے مراد حضرت عمر فاروقؓ ہیں حنتمہ بنت ہشام ابن مغیرہ حضرت عمر کی والدہ تھیں۔ اور ابو جہل کی حقیقی بہن۔ اس لحاظ سے عکرمہ حضرت عمرؓ کے ماموں زاد اور حضرت خالد آپ کے ماموں تھے۔ حضرت عمر اپنے ننھیال کو شہادت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اور اسی سلسلہ میں کبھی کبھار انہیں کہا

کرتے ـــ تم شہادت نہیں پاؤ گے یعنی بے جگری سے نہیں لڑو گے۔ ان ال
سے بنو مخزوم پر تو کوئی الزام لگانا مقصود تھا۔ اور نہ کوئی سرزنش کرنا مقصد صرف
تھا۔ کہ حضرت عمرؓ اپنے ننھال کی گزشتہ اسلام دشمنی کی تلافی اسی میں سمجھتے تھے۔ کہ وہ م
شہادت پر فائز ہوں پس اسی کا شوق پیدا کرنے کے لیۓ وہ یہ الفاظ استعمال کرتے
حضرت عکرمہؓ کے خاندان اور خصوصاً آپ کے والد کی اسلام سے بڑی سخت دشمن
تھی۔ اور اسی دشمنی کا اظہار اس نے آخری وقت میں بھی کیا۔ اس نے جاہلیت کے اصولوں
خاندانی عصبیّت کی بالاتری کے لیۓ اپنا خون دھرتی کے سینے پر بہا دیا۔ عکرمہ بھی طو
عرصہ تک اسی مشن کے لیۓ دوڑ دھوپ کرتے رہئے۔ بالآخر انہوں نے ایک ایسے
نصبُ العین کو اپنا لیا۔ جہاں خاندانی عصبیّت کا مقام نہ تھا۔ بقولِ جامی:

ؔ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ـــ ٭ ـــ

حضرت خبیب بن عدیؓ

حضرت خبیبؓ بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کے وہ بطلِ جلیل ہیں جو امت مسلمہ میں سب سے پہلے دینِ حق کے لیے تختۂ دار کی منزل سے گزرے آپ عشاقِ حق کے سرخیل اور میرِ کارواں ہیں۔ جس راہ پر ہمارے دور میں سید قطب شہید، عبدالقادر عودہ شہید اور ان کے بانی ہمت ساتھی نہایت خندہ پیشانی سے روانہ ہوئے اور اپنے ایمان کی روشنی اور عزم کی بلندی کے ساتھ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے آگے بڑھے اس راہ پر پہلا قدم خبیبؓ بن عدی نے رکھا تھا۔

قریش مکہ کی سازش

حضرت خبیبؓ کے ابتدائی حالات کے متعلق زیادہ معلومات نہیں مل سکیں اتنا معلوم ہے کہ آپ قدیم الاسلام صحابہؓ میں شامل تھے۔ آپ کی شہرت آپ کی شہادت کے واقعہ سے ہے۔

جنگِ احد کے بعد سنہ ۴ھ میں کفار مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ ایک انتہائی قسم کی بددیانتی کی۔ انہوں نے عرب کے دو قبائل عضل اور قارہ کو اپنے ساتھ ملا کر ان کے وفود مدینہ بھجوائے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے قبائل اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں اس لئے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے معلمین بھیجے جائیں جو انہیں اسلام کی تفصیلات سکھائیں۔ آنحضورؐ نے چھ صحابہؓ کو حضرت عاصم بن ثابت کی سرکردگی میں بھیج دیا۔ ان صحابہؓ میں حضرت خبیبؓ بن عدی بھی تھے۔

واقعہ رجیع

یہ حضرات مقام رجیع پہنچے کہ اچانک ان پر دو سو مسلح نوجوانوں نے

حملہ کر دیا۔ اس واقعہ کو تاریخ میں واقعہ رجیع کہا جاتا ہے۔ اور جو صحابہ اس میں حملہ آوروں کا ہدف بنے تھے۔ انہیں صحابہ رجیع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بدعہدی اور اچانک حملے پر بھی صحابہؓ باوجود غیر مسلح ہونے کے دشمن سے نبرد آزما ہوئے۔ چھ صحابہؓ میں سے چار شہید ہو گئے۔ دو گرفتار کر لیے گئے۔[1] گرفتار شدگان میں حضرت خبیبؓ ابن عدی اور زید ابن دثنہؓ تھے۔ دونوں کو مکہ لے جایا گیا۔

مکہ میں

دشمنانِ اسلام نے مکہ میں اس طرح جشن منایا جیسے وہ کسی میدانِ جنگ میں اپنے حریفوں کو شکست دے کر انہیں گرفتار کر لائے ہوں۔ تمام مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں نے ان قیدیوں کو دیکھ کر فخر سے گردنیں اونچی کر لیں۔

اس موقعہ پر عقبہ بن حارث نے رقم دے کر حضرت خبیبؓ کو حاصل کر لیا۔ تاکہ اپنے باپ حارث بن عامر کے بدلے میں انہیں تہ تیغ کر دے۔ حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے حاصل کیا۔ وہ انہیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں انتقاماً قتل کرنا چاہتا تھا ——— یہ دونوں کافر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں داخلِ جہنم ہوئے تھے۔

ایک ماں اور ایک قیدی

دونوں صحابیوں کو ایک مکان میں قید کر دیا گیا۔ اس قید میں انہیں مکمل طور پر بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ حضرت خبیبؓ حجیر بن ابی راہب کے مکان میں محبوس تھے۔ اس کی ایک کنیز جس کا نام ماویہؓ تھا قبول اسلام کے بعد بیان کرتی تھیں

"خبیبؓ بن عدی کو میرے سامنے قید کر کے ایک مکان میں بند کر دیا گیا۔

---

[1] جیسا کہ حضرت مرثدؓ کے حالات میں لکھا گیا تھا تین صحابہؓ تو اس میدان میں شہید ہو گئے۔ اور تین گرفتار ہوئے۔ ان گرفتار شدگان میں سے حضرت عبداللہ بن طارق دشمن کے قبضہ سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن دشمن نے انہیں دوبارہ گرفتار کر کے پتھر مار کر شہید کر دیا۔ یہ واقعہ "ظہران" کے مقام پر رونما ہوا۔ اس طرح چار شہید اور دو گرفتار ہوئے۔ ان صحابہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے ان کی تعداد دس اور ابن ہشام نے چھ لکھی ہے۔

انہیں کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جاتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کے ہاتھ میں انگور کا گچھا دیکھا
وہ اتنا خوب صورت اور تروتازہ انگور تھا۔ کہ روئے زمین پر میں نے اس جیسا انگور نہیں
دیکھا۔ وہ اس انگور میں سے کھا رہے تھے۔" إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

یہی ماویہؓ مزید بیان کرتی ہیں۔ کہ قتل سے پہلے خبیبؓ نے ایک استرا طلب کیا جو
میں نے اپنے چھوٹے بچے کے ہاتھ بھجوا دیا جب میں اسے بھیج چکی۔ تو اچانک خیال آیا
میں نے اپنے لختِ جگر کو اس دشمن کے پاس ایک تیز دھار آلہ دے کر بھیجا ہے جسے
ہم نے کئی دن سے بھوکا پیاسا قید کر رکھا ہے۔ اور جس کے پھانسی دیئے جانے کا
فیصلہ بھی ہو چکا ہے۔ میں سخت گھبراہٹ کے عالم میں دوڑ کر اس کمرے میں گئی۔ کہ
کہیں میرے بچّے کو قتل نہ کر دے۔ لیکن جب میں وہاں گئی۔ تو حال ہی دوسرا تھا۔ بچّہ خبیبؓ
کے زانو پر کھیل رہا تھا۔ مجھے خبیبؓ نے اس حال میں دیکھا۔ تو بچّے کو مخاطب کر کے کہا:

"تیری عمر کی قسم! تیری ماں ڈر گئی۔ کہیں میں تجھے قتل نہ کر دوں۔ حالانکہ مسلمان کبھی
غدر نہیں کیا کرتا" ——— پھر خبیب نے میرے بچّے کو میرے حوالے کر دیا۔

سوئے مقتل روانگی قریش مکہ بڑی دھوم دھام اور ڈھول باجے کے ساتھ اپنے قیدیوں
کو لے کر مکہ سے نکلے۔ ان کے لئے مکہ سے باہر درختوں کے تنوں کے ساتھ پھانسی کے پھندے
باندھ دیئے گئے تھے۔ مکہ سے باہر پھانسی پر چڑھانے کا فیصلہ انہوں نے اس لئے کیا تھا
کہ حدودِ حرم میں وہ قتل کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں یہ احساس نہ تھا۔
کہ جس حرم کے احترام میں وہ حدودِ حرم سے باہر جا رہے ہیں۔ اسی حرم کے مالک نے
فریب کاری اور بدعہدی سے منع کیا ہے جس کا وہ کھلم کھلا ارتکاب کر رہے تھے۔

یہ لوگ قیدیوں کو لے کر مقام تنعیم پر چلے آئے۔ اس مقام پر ایک بہت بڑا میلہ لگا
ہوا تھا۔

شمع حق کے پروانے اب شمع پر قربان ہونے جا رہے تھے۔

آخری سجدہ حضرت خبیبؓ نے مجمع پر نظر ڈالی سولی کو دیکھا۔ اور پھر اپنے دشمنوں سے کہا: "دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ" مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ آپ کے چہرے پر گہری طمانیت کو سارا ہجوم دیکھ رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی۔ یہ ان کی زندگی کی آخری نماز تھی۔ بڑے خضوع و خشوع سے جبینِ نیاز ربِ ارض و سماوات کے سامنے جھکا دی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دشمنانِ اسلام سے مخاطب ہوئے:

"میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے رب کے سامنے لمبے لمبے سجدے اور لمبے لمبے رکوع کروں۔ لیکن مجھے خدشہ تھا کہ تم سمجھو گے یہ موت سے ڈر گیا ہے اس لیئے میں نے جلدی سے نماز پڑھ لی ہے۔"

آپ نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پورے مجمع میں آپ نے اپنے خون کے پیاسے دشمن ہی دیکھے۔ ایک بھی چہرہ ایسا نہ تھا جو اس مظلومیت کی حالت میں آپ کے لئے ہمدردی کے جذبات لیئے ہوتا۔ ہر ہاتھ میں پتھر تھا جو آپ کے جسم پر پڑنے کے لئے بیقرار تھا۔ لاٹھیاں تھیں جو آپ کے بندھے ہوئے جسم پر برسنا چاہتی تھیں نیزے تھے جو آپ کے خون میں نہانا چاہتے تھے۔ —— آپ نے فرمایا "یہاں تو میں ہر شخص کو بدترین دشمن کے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی۔ آپ نے اپنے خالق و مالک کے حضور میں کہا: اَللّٰھُمَّ لَیْسَ ھُنَاکَ اَحَدٌ یُبَلِّغُ رَسُوْلَکَ عَنِّی السَّلَامَ فَبَلِّغْ رَسُوْلَکَ وَ اَصْحَابَہٗ عَنِّی السَّلَامَ

ترجمہ: اُے ربِّ ذوالجلال! یہاں کوئی بھی ایسا نہیں جو تیرے پیغمبر کو میرا سلام پہنچا دے۔ اب تو ہی اپنے پیغمبرؐ اور ان کے صحابہؓ کو میرا تحفہ سلام تاریخ بتاتی ہے کہ جب مکہ سے باہر مقام تنعیم میں اس عاشقِ صادق

للہ سے یہ درخواست کی۔ اسی لمحے مدینہ میں پیغمبر اسلام نے جو منبر پر کھڑے تھے۔
بیبؓ کے سلام کا جواب دیا۔ اور پھر اپنے صحابہؓ کو پورا واقعہ سنایا۔

تختہ دار پر عتبہ بن الحارث اور ابو ہبیرہ العبدری آگے بڑھے۔ اور حضرت خبیبؓ کو تختہ دار پر لائے۔ سولی کے تختے پر کھڑے ہو کر اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر خبیب مسکرا رہے تھے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَۃَ رَسُوْلِکَ فَبَلِّغْہُ مَا یُصْنَعُ بِنَا

"یعنی اے باری تعالیٰ ہم نے تیرے رسولؐ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اب تو اپنے رسولؐ کو اس ساری تفصیل سے آگاہ کر جس سے ہم دو چار ہو کر دنیا سے جا رہے ہیں۔"

آخری آرزو مردِ مومن نے تختہ دار پر کھڑے ہو کر اپنی آخری آرزو کا اظہار کیا۔ یہ آخری آرزو کیا تھی۔ کیا جانِ عزیز کو بچانے کی خواہش؟ بال بچوں اور عزیزوں کے حق میں کوئی بات؟ نہیں ہرگز نہیں۔ جان تو انہوں نے خدا کے ہاتھ فروخت کر دی تھی۔ اور بال بچوں کو اسی خدا کے سپرد کر چکے تھے جس پر اُن کا ایمان تھا کہ وہی رزاق و حاجت روا ہے۔ تو پھر وہ آرزو کیا تھی؟ انہوں نے جس آرزو کا اظہار فرمایا: وہ یہ تھی۔ کہ اُنہیں قبلہ رُخ کر کے تختہ دار پر کھڑا کیا جائے۔ تاکہ وہ جان نکلنے پر زمین پر گریں۔ تو اس حال میں کہ ان کا منہ قبلہ کے رُخ ہو اور وہ سجدہ ریز ہوں۔ دشمن نے اُن کی یہ آرزو پوری نہ کی۔ ان کا رُخ قبلہ کی مخالف سمت کر دیا گیا۔ آپ کو کعبہ کی جانب پشت کر کے سولی دی گئی۔ قدرتِ حقہ نے اُن کی شہادت کے ساتھ ہی ان کی آخری آرزو پوری کر دی۔ تختہ دار اچانک پھر گیا۔ اور حضرت خبیبؓ کا منہ قبلہ کی جانب ہو گیا۔

محبتِ رسولِ مقبول حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ بن دثنہ کو جس وقت سولی پر چڑھایا جا رہا تھا۔ تو نیزوں سے مسلح نوجوانوں کو حکم ملا کہ ان کے جسم کے ایک ایک حصے پر چرکے

لگائیں۔ شقی القلب اعدائے اپنے جلیل القدر دشمنوں کو باندھ کر ان کے جسم کو نیز
سے چھلنی کر دیا۔ مگر حق کے یہ پرستار زبان پر اُف تک نہ لائے۔

حضرت خبیبؓ کو نیزہ مارنے والوں میں سے ایک بدبخت نے آپ کے
کو چھیدا اور کہا "اب تو تم چاہتے ہو گے کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھنس
جائے اور تم چھوٹ جاؤ" ـــــــ شہید وفا نے فوراً جواب دیا: "خدا جانتا
کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جائے۔ اور اس کے بدلے میں نبی ص
اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے" ـــــــ قرآ
کے اس فرمان کی یہ کتنی سچی اور عملی تفسیر تھی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ	"نبی اکرمؐ مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ ہیں"

اس کی تفسیر منبر پر کھڑے ہو کر یا مسندِ درس پر بیٹھ کر اچھے سے اچھے انداز
فصیح و بلیغ الفاظ میں بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن کیا شان ہے اس تفسیر کی جو تختۂ دار
کھڑے ہو کر اور جگر پاش پاش کراتے ہوئے خبیبؓ نے دنیا کے سامنے پیش کی۔ حض
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَ وَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ	"تم میں سے کوئی شخص مومن (صادق) نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ میں اسے اپنی اول اپنے والدین اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں"

صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس
پر سب کچھ نچھاور کر دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہا کرتی تھی۔

فی البدیہہ اشعار حضرت خبیبؓ کو جب سولی پر چڑھایا جانے لگا۔ تو انہوں نے

چند فی البدیہہ اشعار کہے۔ عرب سخن شناس قوم ہے۔ انہوں نے ان اشعار کو سنا اور یاد کر لیا۔ یہ اشعار دشمنوں ہی کے ذریعہ سے روایت ہو کر پھیلے۔ اور ان دشمنوں میں سے ہی بہت سے بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان اشعار میں ان لمحات کی منظر کشی کے ساتھ ساتھ انتہا درجے کی جرأت و ہمت، خیالات کی پختگی تخیّل کی ندرت اور صداقت اسلام پر کامل یقین کا اظہار و اعلان ہے۔ انہوں نے فرمایا:

۱۔ لَقَدْ جَمَعَ الْأَحْزَابُ حَوْلِي وَأَلَّبُوا قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوا كُلَّ مَجْمَعِ

ترجمہ:۔ لوگ گروہ در گروہ میرے گرد جمع ہیں۔ انہوں نے اپنے قبائل کو بلا لیا ہے۔ اور ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا ہے۔

۲۔ وَكُلُّهُمْ مُبْدِي الْعَدَاوَةَ جَاهِدٌ عَلَيَّ لِأَنِّي فِي وِثَاقٍ بِمَضْيَعِ

یہ سارا مجمع میرے خلاف عداوت و بغض دکھا رہا ہے اور میں ہلاکت گاہ میں باندھ دیا گیا ہوں۔

۳۔ وَقَدْ جَمَعُوا أَبْنَاءَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيلٍ مُمَنَّعِ

ان لوگوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی یہاں جمع کر رکھا ہے۔ اور مجھے ایک مضبوط بلند لکڑی کے پاس لے آئے ہیں۔

۴۔ وَقَدْ خَيَّرُونِي الْكُفْرَ وَالْمَوْتُ دُونَهُ وَقَدْ هَمَلَتْ عَيْنَايَ مِنْ غَيْرِ مَجْزَعِ

ترجمہ:۔ انہوں نے مجھے رہا کرنے کے لئے شرط لگائی ہے، کہ میں کفر اختیار کر لوں۔ لیکن اس سے تو موت زیادہ آسان ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ مگر کسی گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے نہیں (جذبات کی فراوانی کی بنا پر آنسو جاری ہوا کرتے ہیں)

۵۔ فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا وَلَا جَزَعًا إِنِّي إِلَى اللهِ مَرْجِعِي

ترجمہ:۔ میں دشمن کے سامنے ہرگز عاجزی نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی میں روؤں

اور چلاؤں گا۔ (مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں خدا کی طرف جا رہا ہوں

۶۔ وَمَا بِیْ حِذَارُ الْمَوْتِ اِنِّیْ لَمَیِّتٌ   وَلٰکِنْ حِذَارِیْ جَحِیْمَ نَارٍ مُلَفَّعٖ

ترجمہ:۔ مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ موت تو آنی ہی ہے۔ میں اس لپیٹ والی آگ سے ترساں ہوں جو خون پی جائے گی۔

۷۔ فَذُو الْعَرْشِ صَبَّرَنِیْ عَلٰی مَا یُرَادُ بِیْ   فَقَدْ بَضَّعُوْا لَحْمِیْ وَقَدْ یَاسَ مَطْمَعِیْ

ترجمہ:۔ عرش عظیم کے مالک نے اس ساری مصیبت پر جس سے میں دوچار ہوا ہوں۔ مجھے صبر عطا کیا ہے۔ دشمنوں نے میرے گوشت کا قیمہ بنا دیا ہے۔ اور اب تو میری اُمید حیات ختم ہو چکی ہے۔

۸۔ اِلَی اللّٰہِ اَشْکُوْا غُرْبَتِیْ ثُمَّ کُرْبَتِیْ   وَمَا اَرْصَدَ الْاَحْزَابُ لِیْ عِنْدَ مَصْرَعِیْ

ترجمہ:۔ میں غریب الدیاری، بے وطنی اور بے کسی اور درد و کرب کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اور دشمن کے گروہ نے میری جان نکلنے کے بعد جن عزائم کی خاطر میری گھات لگا رکھی ہے۔ اس کی بھی۔

اپنی آخری آرزو (یعنی قبلہ رخ ہو کر پھانسی چڑھنا) کے پورا نہ ہونے پر مخاطفین سے کہا۔

۹۔ وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا   عَلٰی اَیِّ جَنْبٍ یَکُوْنُ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

ترجمہ:۔ جب میں حالت اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ تو مجھے اس بات کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔ کہ خدا کی راہ میں میں کس پہلو پر شہید ہو کر گرتا ہوں۔

۱۰۔ وَذٰلِکَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَاْ   یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعٖ

ترجمہ:۔ اللہ کی ذاتِ حق سے امید ہے۔ کہ اگر وہ چاہے۔ تو گوشت کے

ان ٹکڑوں میں برکت ڈال دے۔

سعیدؓ بن عامر صحابی کا واقعہ | حضرت سعید بن عامر ایک صحابی تھے۔ انہوں نے فتح مکہ کے قریب اسلام قبول کیا تھا۔ بڑے عقل مند اور صاحب بصیرت نوجوان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ان کو کسی علاقے کا عامل مقرر کیا گیا تھا۔ اس کی حالت یہ تھی۔ کہ کبھی کبھار اچانک بے ہوش ہو کر گر جایا کرتے تھے۔ اور بڑی دیر بعد ہوش میں آتے۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا۔ تو فکر دامن گیر ہوئی انہیں اپنے پاس بلایا۔ اور پوچھا: "کیا تمہیں کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "نہیں امیر المومنین! مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ جب مکہ سے باہر مقام تنعیم پر حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔ تو میں بھی اس مجمع میں موجود تھا۔ آج بھی جب کبھی وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ تو اچانک بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہوں۔"

درد و اذیت کا وہ کیا منظر ہو گا جو برسوں بعد بھی دیکھنے والی آنکھوں کو یوں بے چین کرتا تھا۔ سچی بات یہ ہے۔ کہ اسلام کا راستہ کوئی آسان راستہ نہیں، اس منزل کے راہی جن مراحل سے گزرتے ہیں ان کے بارے میں حضرت خبیب کی روح گویا یہ پیغام دے رہی ہے ؎

یہ قدم قدم پہ قیامت یہ سواد کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائیں جنہیں زندگی ہو پیاری

—— ⁂ ——

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں شامل ہیں جن کو زندگی بھر حضور کی خدمت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ پیغمبرِ اسلام صلعم کے خاص تربیّت یافتہ شاگرد اور اُمتِ محمدیّہ کے مایۂ ناز عالم تھے۔ اس باب میں اپنے اس عظیم رہنما کے حالات کا خاکہ پیشِ خدمت ہے۔

حضرت عبداللہؓ کے والد کا نام مسعود بن غافل بن حبیب تھا۔ سلسلۂ نسب تمیم سے ملتا ہے۔ اس لئے تمیمی بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام امِّ عبد تھا۔ انہیں بھی قبولِ اسلام کی توفیق بارگاہِ ربّانی سے ارزانی ہوئی۔ اور ان باسعادت لوگوں کی فہرست میں ان کا بھی نام لکھا گیا جو کہ مرتبۂ صحابیّت سے نوازے گئے۔ حضرت عبداللہ کو ابن مسعود بھی کہا جاتا ہے لیکن وہ ماں کی نسبت سے زیادہ مشہور تھے چنانچہ ان کا نام تاریخ میں اکثر ابنِ امِّ عبد مذکور ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ابنِ امِّ عبد کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا قاضی مقرّر کر کے بھیجا تو اہل کوفہ کے نام جو خط لکھا اس کے آخر میں یہ الفاظ تھے۔

قَدْ آثَرْتُکُمْ بِابْنِ اُمِّ عَبْدٍ عَلٰی نَفْسِی۔	"مَیں نے ابنِ امِّ عبد (عبداللہ ابنِ مسعود) کو اپنے سے جدا کر کے تمہارے پاس بھیج کر ایثار کا مظاہرہ کیا ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے قبولِ اسلام کے سلسلے میں مورخین نے لکھا ہے کہ آپ بچپن میں مکہ کے اموی سردار عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے

اس گلہ بانی کے دوران ہی شمعِ ہدایت سے فیض یاب ہوئے۔ ہُوا یوں کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم علیہ السّلام اپنے جان نثار ساتھی حضرت ابوبکر صدیق کے ہمراہ مکہ سے باہر کسی وادی میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ قریب کہیں پانی نہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا تھا۔ اس کے قریب آئے۔ یہ عبداللہ ابنِ مسعود تھا۔ کہا: "برخوردار! کیا تم کچھ دودھ ہمیں دے سکتے ہو۔ تاکہ ہم پیاس بجھا لیں؟" نوجوان لڑکے نے برجستہ جواب دیا "مَیں دودھ نہیں دے سکتا کیونکہ یہ کسی کی امانت ہے اور مَیں تو محض معاوضے کا چرواہا ہوں" حضور اکرمؐ اور صدیق اکبرؓ اس ہونہار بچے کے جواب سے بہت متاثر ہوئے۔ صاحبِ اسد الغابہ نے اس واقعہ کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "صاحبزادے تمہارے پاس اگر کوئی ایسی بکری ہو جس نے بچّے نہ جنے ہوں اور شیر دار نہ ہو۔ تو وہ لے آؤ"

عبداللہ ابنِ مسعود نے ایسی ایک بکری خدمت میں پیش کر دی۔ آپ نے تھن پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔ تھن دودھ سے بھر گیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے برتن میں دودھ نکالا۔ تینوں نے سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد آنحضور صلعم نے تھن سے فرمایا: "خشک ہو جا۔" پس وہ اپنی اصلی حالت پر آگیا۔

چاند کو دو ٹکڑے فرمانے والی اور کنکریوں کو کلمہ پڑھانے والی ہستی سے یہ معمولی سا معجزہ کون سی بعید از امکان بات تھی۔

بھیڑ بکریوں کو چرانے والے نوجوان لڑکے نے یہ غیر معمولی واقعہ اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ تو دفعتاً اس کے دل کی آنکھیں بھی کھل گئیں۔ اس نے صورتِ حال کا ادراک حاصل کر لیا۔ اپنی منزل کا پتہ پا لیا۔ نور بکھیرنے والی شمعِ فروزاں اس کے ہاتھ آگئی۔ بے قراری سے منبعِ علم و ہدایت اور مرکزِ جود و سخا کے قدموں میں گر گیا۔ اور عرض کیا "مجھے بھی اس موثر کلام کی تعلیم سے بہرہ ور کیجئے۔" ارشاد نبوی ہُوا:

اِنَّکَ غُلَامٌ مُعَلَّمٌ — تم تو پہلے ہی تعلیم یافتہ لڑکے ہو

اب بکریوں کی گلہ بانی اور معاوضے کا لالچ کہاں! اب تو مکہ کی وادیوں میں بکریاں چرانے کی بجائے ریگزار جنوں کی صحرانوردیاں اور بحرِ عشق کی غوّاصیاں درپیش تھیں!

عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے پہلی ہی ملاقات میں محسنِ اعظم کو پہچان لیا تھا۔ اور پہچاننے کے بعد دامنِ رحمت میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ اب دن رات ایک ہی لگن تھی۔ محبوبؐ کی قربت اور اس کے ہر حکم پر جان قربان کر دینے کا جذبہ۔ حضور نبی کریمؐ نے ابنِ امِّ عبد کو اپنے حلقۂ خاص میں جگہ دی۔ یہ اتنا بڑا اعزاز تھا۔ کہ اس پر وہ جتنا بھی ناز کرتے کم تھا۔ وہ حضورؐ کے ہم راز بن گئے۔ ان کی خوبیٔ قسمت کے کیا کہنے ؂

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ کیوں نہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ ناز کرے

حضرت ابنِ مسعود نے جس وقت اسلام قبول کیا۔ اس وقت قافلۂ اہلِ حق میں نام لکھوانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مکہ آزمائش کی بھٹی بنتا جا رہا تھا۔ ابتلا و امتحان کے نت نئے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے تھے۔ خوف و دہشت کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ اور اس گھٹے گھٹے ماحول میں اسلام کا برملا اظہار جان جوکھوں سے کم نہ تھا۔ ایسے حالات میں حضرت ابنِ مسعود نے ایک روز اہلِ حق کو حیران کر دیا۔ اور اہلِ باطل کے دلوں پہ اپنے ایمان کی پختگی کا سکہ جما دیا۔ ایک روز مسلمان خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے۔ ایک جانب قریش مکہ کی محفل بھی لگی ہوئی تھی۔ ابوجہل پورے ٹھاٹھ سے محفل کی صدارت کر رہا تھا۔ عقبہ بن ابی معیط، عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، امیہ ابن خلف اور دوسرے زعما اس کے گرد بیٹھے خاندانی مفاخر بیان کر رہے تھے۔ جماعتِ مومنین میں یہ مسئلہ زیرِ بحث تھا۔ کہ قریش کی مجلس میں کون جا کر باآوازِ بلند قرآنِ مجید کی تلاوت کرے گا۔ عبداللہ ابنِ مسعودؓ نے اس عظیم فریضہ کی ادائیگی کے لئے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ صحابہ نے ان کے نحیف و نزار جسم کو دیکھا۔ اور پھر انہیں مشورہ دیا۔ کہ وہ یہ پُر خطر کام اپنے ذمے نہ

لیں۔ مگر یہاں تو فریضۂ دعوتِ حق کے لئے طبیعت مچل رہی تھی۔ اصرار کیا کہ میں ضرور یہ کام سرانجام دوں گا چنانچہ یہ نرم و نازک نوجوان حلقۂ یاراں سے اٹھا اور رزمِ حق و باطل کا مشاہدہ کرانے مجلسِ قریش کی جانب چل دیا۔ مشرکین کی مجلس میں پہنچ کر نغمۂ توحید شروع کیا۔ قریش نے ایک دوسرے سے پوچھا۔ "ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے"۔ یہ سننا تھا۔ کہ دشمن ٹوٹ پڑے۔ اور عبد اللہ ابنِ مسعود کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔ ان کا جسم زخموں سے چور چور تھا۔ اور ان کا لباس خون میں شرابور۔ لیکن ان کی زبان پر کلامِ ربانی کی تلاوت جاری تھی۔

حضرت عبد اللہ ابنِ مسعودؓ بہت کمزور اور دُبلے پتلے آدمی تھے۔ ان کی پنڈلیاں اتنی باریک اور کمزور تھیں۔ کہ بعض اوقات ان کے ساتھی ان سے خوب مذاق کرتے۔ آخر یہ کون سی قوت تھی۔ جو عبد اللہ ابن مسعود کو کفار کے مجمع میں پیغامِ حق سنانے پر آمادہ کر رہی تھی۔ جسمانی قوت توان میں تھی نہیں۔ یہ ایمانی قوت اور روحانی زور تھا جس نے ان کو قوی بنا دیا۔ اور پھر باطل کے تھپیڑوں کے مقابلہ میں وہ فولاد بن گئے جس شخص نے بھی اسلام کو سوچ سمجھ کر قبول کیا۔ اور اپنے آپ کو دینِ حق کے لئے وقف کر دیا۔ پھر اُسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف لاحق نہ رہا۔ اس کی گردن ربِ واحد قہار کے سامنے تو عجز و انکسار سے جُھک گئی لیکن کسی دوسری طاقت کے آگے جھکنے کا خیال بھی اس کے دل و دماغ کے کسی گوشے میں کبھی پیدا نہ ہو سکا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے دو مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اور تیسری مرتبہ مدینۂ منورہ میں مہاجر بن کر داخل ہوئے۔ یہاں حضور اکرمؐ نے مدینہ کے مشہور عالم صحابی اور اپنے منظورِ نظر ساتھی معاذ بن جبلؓ سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔ مسجد نبوی کے قریب جو جگہ خالی پڑی تھی۔ وہاں مسجد کے بالکل متصل ایک قطعہ بارگاہِ نبوی سے حضرت ابن مسعود کو مرحمت ہوا۔ وہاں انہوں نے اپنا گھر بنا لیا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اپنے علمی مرتبے اور فقہی مقام کی وجہ سے زیادہ مشہ
ہیں۔ لیکن وہ قلم و قرطاس کی شہنشاہی کے ساتھ شمشیر و سناں کے بھی ماہر تھے۔ جنگ
بدر میں جب آنحضور صلعم نے ابوجہل کے بارے میں پوچھا۔ کہ اس کا کیا حال ہے۔ تو ابن مسعو
ہی نے جا کر ابوجہل کو زخمی حالت میں دیکھا۔ اور اسے جھنجھوڑ کر کہا۔ کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ پھ
آکر اطلاع دی۔ کہ ابوجہل میدانِ جنگ میں فلاں جگہ پڑا ہوا ہے۔ تاریخ اسلام میں اُحد کے
بعد معرکۂ حنین ایک ایسا موقع تھا۔ کہ جب مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ اس جنگ کے
حالات امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں عبداللہ ابن مسعود ہی کی زبانی نقل کئے ہیں۔ فر
ہیں۔ مشرکین نے زور دار حملہ کیا۔ تو مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ ہم لوگ تقریباً اسّی قدم تک
پیچھے ہٹے۔ لیکن پھر جم گئے۔ حضور اکرمؐ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتے۔ مگر وہ پیچھے ہٹتا
آپ زین سے جھکے۔ تو میں نے زور سے کہا۔ "آپ سربلند رہیں یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ
نے آپ کو رفعت بخشی ہے"۔ آپ نے مجھے حکم دیا۔ "ایک مٹھی خاک مجھے اٹھا دو"۔ میں نے
خاک اٹھا کر دی۔ آپ نے دشمنوں کی جانب پھینکی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ "انصار و مہاجرین
کہاں ہیں؟" میں نے اشارہ کیا۔ تو حکم ہوا۔ "ان کو آواز دو"۔ میں نے چیخ کر مہاجرین و انصا
کو پکارا۔ تو سب واپس آگئے۔ اور تھوڑی دیر میں میدان جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔

جنگِ تبوک میں حضرت ابن مسعود شریک تھے۔ چونکہ حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے مسواک لانا آپ کی ذمہ داری تھی۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ مسواک کاٹنے
کے لئے پیلو کے درخت پر چڑھ گئے۔ صحابہؓ نے ان کی کمزور پنڈلیاں دیکھیں۔ تو ہنسنے لگے۔
حضورؐ کو پتہ چلا تو فرمایا۔ "تم کیوں ہنس رہے ہو۔ قیامت کے روز ربِ ذوالجلال
کے حضور میزان عدل میں یہ کمزور پنڈلیاں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گی"۔

حضور اکرمؐ کے بعد پیش آنے والے معرکوں میں ابن مسعود نظر نہیں آتے۔ خلافت
فاروقی میں رومیوں کے مقابلے پر لڑی جانے والی جنگِ عظیم (جسے جنگِ یرموک کہا جاتا ہے

میں ان کا تذکرہ ملتا ہے جس میں انہوں نے دادِ شجاعت دی۔

جناب فاروقِ اعظمؓ نے ابن مسعود کو کوفہ کا قاضی اور افسر بیت المال مقرر کیا اس منصب پر آپ دس سال تک فائز رہے۔ اور بڑی خوش اسلوبی سے تمام انتظامات چلاتے رہے۔ آپ نہایت رحم دل اور عفو و درگزر کرنے والے حاکم تھے۔ لیکن حدود اللہ کے بارے میں بہت سخت تھے۔ کسی سے رو رعایت نہ کرتے۔ ایک مرتبہ اطلاع ملی کہ مسیلمہ کذّاب کے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ اب تک پائے جاتے ہیں۔ آپ نے ایک دستہ بھیج کر ایسے لوگوں کو گرفتار کرایا۔ وہ لوگ جب ان کے سامنے پہنچے تو ان سے صورت حال دریافت کی۔ انہوں نے اقرار کیا کہ وہ مسیلمہ کو نبی مانتے ہیں۔ آپ نے ان کو متنبہ کیا۔ اور سب کی توبہ قبول کی لیکن ان میں سے ایک شخص ابنِ نواحہ کو قتل کرا دیا۔ وہ ان کا سرغنہ تھا۔ قتل کے بعد آپ نے فرمایا۔ "حضور اکرمؐ کی خدمت میں مسیلمہ نے دو ایلچی بھیجے تھے۔ انہوں نے مسیلمہ کی نبوت منوانے کی بات چیت کی۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر ایلچی کی جان کا احترام ہم پر فرض نہ ہوتا۔ تو میں تمہیں قتل کرا دیتا۔ ان میں سے ایک تو ابنِ اثال تھا۔ اور دوسرا یہ ابنِ نواحہ۔ چونکہ یہ اب تک باطل عقیدہ سے باز نہیں آیا۔ اس لئے حضورؐ کی خواہش کی تعمیل میں میں نے اسے قتل کرایا ہے۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے زمانۂ قضا میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر رہے۔ ابن مسعودؓ بیت المال کے بھی نگران تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ اس کی واپسی کے لئے ابنِ مسعودؓ کو بہت فکر تھی۔ ایک مرتبہ تقاضا اتنا شدید کیا۔ کہ تلخ کلامی تک نوبت آگئی۔ حضرت سعد کے لئے حضورؐ نے قبولیت دعا کی دعا فرمائی تھی۔ اس لئے ان کی دعا قبول ہو جایا کرتی تھی۔ انہوں نے ابن مسعود کی تلخ باتیں سنکر دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ مگر اسی لمحے ابنِ مسعود سے کہنے لگے۔

"خدا کی قسم! اگر خوفِ خدا نہ ہوتا۔ تو تمہارے حق میں بد دعا کرتا۔"

ابن مسعودؓ سے ولید بن عقبہ کو بھی بعض معاملات میں اختلاف تھا۔ بعض فتنہ پروروں نے اس اختلاف کو مزید بھڑکانے کی کوشش کی۔ لیکن ابن مسعودؓ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کی سازشوں کو ناکام بنایا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابنِ مسعود کو ان کے منصب سے معزول کیا۔ تو کوفہ میں اہلِ علم کے لئے یہ خبر قیامتِ صغریٰ بن گئی۔ ان کے بہت سے مدّاحین جمع ہو گئے۔ اور ان سے اصرار کیا۔ کہ وہ کوفہ سے نہ جائیں۔ کئی پُرجوش نوجوانوں نے تلواروں پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ان کی حمایت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ مگر ابنِ مسعودؓ دربارِ خلافت کے کسی حکم سے سرتابی نہ کرنا چاہتے تھے۔ حسب الحکم ابنِ مسعود کوفہ سے عمرہ کی نیّت سے مکہ معظّمہ چلے گئے۔ مسند احمد اور مستدرکِ حاکم میں وضاحت ہے۔ کہ اسی سفر کے دوران ابنِ مسعودؓ نے صحابئ رسول حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور تجہیز و تکفین کی۔ اس کی تفصیلات یوں ہیں۔ کہ کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے ایک مقام ربذہ کے پاس پہنچے۔ تو راستے میں ایک خاتون کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ عورت کو سراسیمہ پریشان دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے میری بہن!" اس نے جواب دیا۔ "اس طرف ایک مسلمان مرد موت کے دروازے پر پہنچ چکا ہے۔ اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیجئے۔" حضرت ابنِ مسعود اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس راستے پر چل پڑے۔ تھوڑی دور جاکر دیکھا۔ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابی حضرت ابوذر غفاری آخری سانس لے رہے تھے

دونوں ساتھیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ماضی کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ابوذرؓ نے اپنے دوست کو وصیت کی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ جناب ابنِ مسعودؓ نے ان کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اور اس صحرا میں مردِ درویش کی قبر بنا کر سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود صحابہ کی جماعت میں بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں

نے خود حضور اکرمؐ سے قرآن کی ستّر سورتیں یاد کیں۔ انہیں براہِ راست نبی اُمّیؐ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ آنحضور علیہ السلام کے خاص ہمرازوں میں آپ شامل تھے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگ یمن سے مدینہ آئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد نبوی میں مہمان بنے۔ ابنِ مسعودؓ اس کثرت سے حضورؐ کے ہاں آتے جاتے تھے۔ کہ کافی عرصہ تک ہمیں شبہ رہا۔ کہ آپ اہلِ بیت نبویؐ میں سے ہیں۔

علوم قرآنیہ پر آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کے بارے میں میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کب اور کہاں نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کے ایک مجمع میں فرمایا "تمام صحابۂ رسول کو علم ہے۔ کہ میں قرآن کا سب سے بڑا عالم ہوں۔ گو میں سب سے بہتر نہیں ہوں"۔ وہ اپنے دوستوں کی محفل میں اکثر کہا کرتے "اگر میں جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ قرآن کریم کا علم رکھتا ہے۔ تو میں اس کی جانب سفر کرتا"۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو ہی یہ باتیں زیب دیتی تھیں۔ کیونکہ حضور نبی کریمؐ کی زبان مبارک سے بھی اُن کے ان دعووں کی تصدیق ہوتی رہتی تھی۔ حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ کی زبانی صحیح مسلم میں روایت آئی ہے۔ کہ حضرت عبد اللہ ابن عمروؓ نے کہا میں اس دن سے ابنِ مسعود سے ازحد محبت و عقیدت رکھتا ہوں۔ جس دن حضورؐ نے فرمایا کہ قرآن کا علم چار آدمیوں سے حاصل کرو اور ان میں سب سے پہلے عبد اللہ ابن مسعودؓ کا نام لیا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے۔ اور اس میں باقی تینوں صحابہؓ کے نام بھی مذکور ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ قرآن کا علم ان چار آدمیوں سے سیکھو۔ عبد اللہ ابن مسعودؓ، سالم بن عبد اللہؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ۔

آپ بہت بڑے قاری قرآن اور مفسر کلام مجید تھے۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے

ارشاد فرمایا۔ سورۂ نساء پڑھ کر سناؤ۔" عرض کیا" یارسول اللہ صلعم! قرآن مجید تو آپ
پر نازل ہوا ہے۔ پھر میں کیسے سناؤں؟" فرمایا:" میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں
چنانچہ ابنِ مسعود نے تعمیلِ ارشاد میں سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی حضورؐ توجہ سے سنتے
رہے جب اس آیت پر پہنچے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ
أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ
عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝

(ترجمہ) اور اس وقت کیا کیفیت ہو گی جب
ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے
اور ان لوگوں پر آپؐ کو بطور گواہ بلائیں گے

تو حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" جو چاہتا ہے کہ قرآن کو اس
حالت میں سُنے جس حالت میں وہ نازل ہوا۔ اُسے چاہیئے۔ کہ ابن مسعودؓ کی تلاوت سُنے"
اللہ اللہ کتنا بلند مقام ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ابنِ مسعودؓ کی تلاوت سُنا کرتے۔ ایک
آپ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے ساتھ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ ابنِ مسعود
نوافل پڑھ رہے تھے۔ نفلوں میں وہ سورۂ نساء نہایت ترتیل کے ساتھ تلاوت کر رہے
تھے۔ حضورؐ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُن کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور دیر تک
شوق سے سنتے رہے۔ سنتے سنتے حضورؐ نے وفورِ محبت سے فرمایا:" ابنِ مسعودؓ جو
بھی مانگے گا۔ اسے ملے گا" یہ الفاظ دو مرتبہ دھرائے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ الفاظ
تو اپنے بھائی ابنِ مسعود کی خوش بختی و سعادت پر رشک آیا۔ دوسرے روز ابن
کے ہاں گئے۔ اور پوچھا" تم نے گزشتہ شب خدا سے کیا دعا مانگی؟" جواب دیا" میں نے
خدا سے تین باتوں کا سوال کیا۔

(۱) اے خدا مجھے ایسا کامل ایمان دے جس میں کبھی تزلزل نہ آئے۔

(۲) مجھے کبھی ختم نہ ہونے والی نعمت سے سرفراز فرما۔

(۳) جنت میں محبوبِ حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب فرما۔

اسلامی فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا جو مقام ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ دراصل مکتب ابنِ مسعود ہی کے بالواسطہ خوشہ چین تھے۔ حضرت ابنِ مسعودؓ نے کوفہ میں حلقۂ رشد و ہدایت قائم کیا تھا۔ یہاں پورے عراق کے پرستارانِ علم جمع ہو گئے تھے۔ اور کوفہ پوری دنیائے اسلام کا علمی مرکز بن گیا تھا۔ ابنِ مسعودؓ کے بے شمار شاگرد تھے۔ جنہوں نے تاریخ میں بڑا بلند مرتبہ پایا۔ ان میں سے علقمہ، اسود، مسروق اور ابراہیم نخعی بہت زیادہ معروف تھے۔ ابراہیم نخعی سے ان کے شاگرد جنابِ حماد نے علم حاصل کیا۔ اور حماد کے سامنے امام عالی مقام شہنشاہ فقہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ اس طرح بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی کے بانی عبداللہ ابنِ مسعودؓ ہیں۔ بلاوجہ نہیں ہے۔

فقہ اسلامی میں اصولِ فقہ یا ماخذ قانون چار چیزیں ہیں۔ قرآن مجید، سنت نبوی، اجماعِ اُمت، اور قیاس۔ اوّل الذکر دو عوامل تو حضور کے زمانے میں ہی تھے۔ باقی دو میں اوّل الذکر کی روشنی میں ابنِ مسعود نے بڑا کمال حاصل کیا۔ اس کی تفصیل میں ہم طوالت میں نہیں جانا چاہتے۔ ابنِ مسعود کی فقہ تبادات خود ایک ایسا موضوع ہے جس پر ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

حدیث کی روایت میں ابنِ مسعود بہت محتاط تھے۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کا موقع انہی کو ملا۔ لیکن روایت بیان کرنے سے بہت ڈرتے تھے۔ کہ کبھی روایت بیان کرنی ہوتی۔ تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ اور بسا اوقات تو الفاظ بھی ادا نہ کر سکتے تھے۔ [illegible] ان کے سامنے حضور اکرمؐ کا یہ قول ہر وقت رہتا تھا۔

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"

(ترجمہ، جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات منسوب کی۔ اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لینا چاہیئے۔

ابن مسعودؓ سے روایات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ آپ نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ بالکل اسی طرح بیان کی ہیں۔ جس طرح حضور نبی کریم کی زبان سے نکلی تھیں۔ مسند احمد میں ان سے ایک روایت مذکور ہے۔ انہوں نے ایک لمبی حدیث بیان کی۔ روز حشر جزا و سزا۔ جنت دوزخ۔ مومنین اور رب ذوالجلال کے سوال و جواب وغیرہ کا ذکر اس حدیث میں تھا۔ حدیث بیان کرنے کے بعد آپ مسکرا دیئے۔

پھر لوگوں سے کہا "تم نے پوچھا نہیں۔ کہ میں کیوں مسکرایا ہوں! لوگوں نے کہا "بتایئے آپ کیوں مسکرا دیئے"؟ فرمانے لگے۔

حضور اکرمؐ نے جب یہ حدیث بیان کی تھی تو آخر میں آپ نے تبسم فرمایا تھا حضرت ابنِ مسعود تقریر کرنے کے فن میں بھی بڑے ماہر تھے۔ حضور اکرمؐ نے ایک مرتبہ مختصر خطاب فرمایا۔ پھر ابوبکرؓ کو حکم دیا۔ کہ وہ اختصار سے تقریر کریں۔ ان کے بعد عمرؓ کو حکم ہوا۔ تو انہوں نے بھی مختصر تقریر کی۔ ان کے بعد نبی اکرمؐ نے ابنِ مسعودؓ کو حکم دیا۔ کہ خطاب کریں۔ ابنِ مسعود نے خطاب کیا۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللهَ رَبُّنَا وَ أَنَّ الْإِسْلَامَ دِيْنُنَا وَ أَنَّ هٰذَا نَبِيُّنَا (أَوْمَأَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ) رَضِيْنَا مَا رَضِيَ اللهُ لَنَا وَ رَسُوْلُهُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔

(ترجمہ) لوگو! بے شک ہمارا پروردگار اللہ ہے اسلام ہمارا دین ہے۔ اور یہ (حضور اکرمؐ کی طرف اشارہ کر کے) ہمارے پیغمبر ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے لئے جو کچھ پسند کیا۔ وہی ہمیں پسند ہے۔ والسلام علیکم

یہ مختصر مگر جامع اور مؤثر خطاب سُن کر حضور نبی کریم علیہ السّلام بہت خوش

اور مسکرا کر فرمایا:

صَدَقَ ابنُ اُمِّ عَبْدٍ   ابنِ امِ عبد نے سچ کہا ہے۔

حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد جب لوگوں کا ہجوم ان کے پاس جمع ہو جایا کرتا تھا۔ اور لوگ تقریر کی درخواست کرتے تو آپ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ہادی سے یہ سیکھا ہے کہ زیادہ تقریر نہیں کرنی چاہیئے۔ اس سے ایک تو اثر باقی نہیں رہتا۔ اور دوسرے لوگ سُن سُن کر تھک جاتے ہیں۔ آپ ہفتے میں ایک مرتبہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

حضورؐ کے صحابی حضرت حذیفہؓ سے ایک مرتبہ عبدالرحمان ابن یزید نے پوچھا کہ کسی ایسے شخص کا پتہ دو جو حضور اکرمؐ سے خلق اور ہدایت میں قریب ترین ہو۔ انہوں نے جواب دیا "عبداللہ ابنِ مسعود بارگاہِ نبوّت میں ہم سب سے زیادہ مقرب تھے"۔

علم و حکمت کے لامتناہی خزینوں سے دامن بھرنے کے باوجود بھی آپ مسائل بیان کرتے ہوئے جس مسئلے میں معلومات تامہ حاصل نہ ہوتیں بلا جھجک کہہ دیتے کہ میں اس بارے میں علم نہیں رکھتا۔ علم کی عظمت دراصل اسی میں ہے کہ نامعلوم مسائل کے بارے میں واضح کر دیا جائے کہ مُستفتی کچھ نہیں جانتا۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ولید بن عقبہ والی کوفہ سے ابنِ مسعودؓ کو کچھ اختلافات تھے انہی اختلافات کے سلسلے میں حضرت عثمان غنیؓ نے ان کو معزول کر دیا عزل کے بعد ان کا وظیفہ بھی بند کرا دیا۔ اس وجہ سے دونوں بزرگوں میں کچھ شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی ان کے آخری وقت میں خلیفۂ راشد ان کے پاس آئے۔ دونوں بھائیوں میں گفتگو ہوئی گلے شکوے بھی ہوئے۔ اور بالآخر دونوں کے دل ایک دوسرے کی طرف صاف ہو گئے۔

ان کی صفات کے سلسلے میں اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ انہیں ایک شخص نے خواب سُنایا۔ اس نے کہا "میں نے کل رات خواب میں دیکھا۔ کہ حضور نبی کریمؐ ا[illegible] اونچے منبر پر بیٹھے ہیں۔ اور آپ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔ اسی لمحے حضورِ اکرمؐ نے ا[illegible] فرمایا: "ابن مسعود! میرے بعد تم نے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ آؤ۔ اب میرے پاس آ[illegible] آؤ" خواب سننے کے بعد پوچھا "کیا واقعۃً تم نے یہی خواب دیکھا ہے؟ اور اس شخص نے جواب دیا۔ "ہاں" فرمایا۔ تم میرے جنازے میں شریک ہو گے"۔

چند دنوں بعد یہ خواب حقیقت بن گیا۔ عمر ساٹھ برس سے اوپر ہو چکی تھ[illegible] کچھ روز بیمار رہے جب احساس ہوا کہ آخری وقت آگیا ہے تو حضرت زبیر[illegible] عوامؓ اور حضرت عبداللہ ابنِ زبیرؓ کو بلایا۔ اپنے مال واسباب اور اولاد کے بار[illegible] میں وصیت کی۔ اس کے بعد دنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو کوچ کر گئے۔

حضرت عثمان بن عفان امیر المومنین نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ یہ ۳۲ھ کا واقعہ[illegible] حضرت ابنِ مسعودؓ کو جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن کیا[illegible]

یوں بکریاں چرانے والا ایک لڑکا محمدؐ رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر کے ا[illegible] دنیا کا قائد و رہنما اور علم و حکمت کے دریا کا منبع بن کر زندہ رہا۔ جب دنیا سے رخص[illegible] ہوا۔ تو اس حال میں۔

یٰاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِ[illegible] وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ ۔

تمت بالخیر

مکتبۂ ظفر ناشر قرآنی قطعات
محلہ فیض آباد سرگودھا روڈ
بالمقابل جامع مسجد گجرات کی مطبوعات

میلاد النبی (مضامین مولانا ابوالکلام آزادؒ) ——— ۵۰-۱

دو عیدیں " ——— ۷۵-۱

فضائل رمضان المبارک و لیلۃ القدر (مضامین مولانا آزادؒ) ——— ۰۰-۱

ارباب علم و ادب جانتے ہیں کہ مولانا آزادؒ کے قلم میں کیسی تاثیر اور ان کے انداز بیان میں کیسا خروش پایا جاتا ہے۔ وہ دل کی زبان سے لکھتے ہیں اور جذبات کے زیروبم میں بڑی ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ مضامین موجودہ صدی کے پہلے سالوں کے دوران لکھے گئے لیکن ان کی اہمیت اب بھی برقرار ہے۔ مولانا آزادؒ کی ندرت انشا سے دینی اور علمی حلقے پوری طرح واقف ہیں۔ اور مضامین کی اہمیت و افادیت اور اثر و گداز کے بارے میں کچھ کہنے کی بجائے مولانا کا نام لے لینا کافی ہے۔ یہ مضامین اپنے اندر اتنی جامعیت رکھتے ہیں کہ کسی اور کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ شائقین ان کتابوں کے مطالعہ سے معارفِ دینی کے چھینٹوں سے کشتِ قلب و نظر کو سیراب کریں۔

تینوں کتابیں بطرق آفسیٹ سفید کاغذ پر چھاپی گئی ہیں۔ اور ہر صفحے پر رنگین بیل چھاپ کر کتابوں کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ ٹائیٹل دیدہ زیب ہیں۔

تعارف قرآنی ——— ایم عبدالرحمٰن خاں ملتان ——— مجلد ۵۰-۲

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قرآن پاک کا خود قرآن حکیم ہی کی زبانی تعارف کرایا گیا ہے اور مختصر عنوانات کے تحت تقریباً ان تمام آیات کو مع ترجمہ جمع کر دیا گیا ہے۔ جس سے قرآن کے نام، کام اور پیغام پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ اپنے اسلوب کی واحد کتاب ہے۔

عمدہ کتابت۔ نفیس طباعت، خوب صورت گردپوش

اقبالؒ قائداعظمؒ اور اسلامی سوشلزم — ناظم عزیز احمد — ۳۷-۰۰

از عمرو الجنی

قصیدۂ نعتیہ جن

شرح عربی و اردو از مولانا رحمت علی خاں سیاحی — ۱-۵۰

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ نعت ایک جن نے لکھی ہے جو انہوں نے آنحضورؐ کی شان اقدس میں زیب قلم کی ہے۔ عربی ادب کے لیے ایک دُرِ نایاب ہے۔

از قریشی احمد حسین احمد قلعہ داری

گجرات کی تاریخ قدیم و جدید

ایم اے فارسی ایم اے اردو ایم اے عربی — ۱-۵۰

حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک مکمل حالات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ علماء، صوفیا، شعراء اور ارباب ہنر و فن کا مکمل تذکرہ موجود ہے ارباب تحقیق کے لیے نادر و نایاب نسخہ ہے۔

سید حسین احمد مدنیؒ (ایک شخصیت، ایک مطالعہ)

از: ادارۂ تصنیف و تالیف — ۴-۵۰

مولانا مدنی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ نادر روزگار شخصیت تھے۔ جن کے انوار نے ہماری نگاہوں کے ہاتھ میں علم و آگاہی کی مشعلیں دے کر ایک طرف اسلاف کرام کے عہد مسعود کا ٹھیک ٹھیک مشاہدہ کرایا۔ دوسری طرف آئندہ منزلوں کے سنگ ہائے میل موقع بہ موقع نصب فرمائے ان کی تفصیل آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے ملے گی ضخامت ۳۰۴ صفحات۔ کاغذ سفید۔

آسان اردو قاعدہ (از ابو ظفر سلطان احمد) ننھے بچوں کے لیے آسان قاعدہ جو لفظوں کے سامنے شکل سے دلچسپ بنایا گیا ہے۔ بچوں کو تعلیم کی طرف دلچسپی پیدا کرتا ہے قیمت بیس پیسے

قرآنی قطعات چار مختلف رنگوں میں خوبصورت بیل کے ساتھ آرٹ پیپر پر۔ قیمت فی کلپس پیسے

روشنی کے مینار (بیس صحابہ کرامؓ کے مختصر حالات زندگی)

از حافظ محمد ادریس ایم اے اسلامیات ایم اے عربی (گولڈ میڈلسٹ) — ۹-۰۰

دیباچے میں ظفر جمال بلوچ ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیۃ طلبہ پاکستان لکھتے ہیں: .... یہ کتاب جہاں ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے وہیں نوجوانوں کے لیے خصوصی پیغام رکھتی ہے ....

سیر الصحابیات

از مولانا سعید انصاری — ۶-۰۰

ازواج مطہرات نبی اکرمؐ۔ بنات طاہراتؓ اور دیگر صحابیاتؓ کے علمی عملی اور اخلاقی وغیرہ پہلوؤں کی ایک جامع کتاب۔

(یہ کتاب لڑکیوں کو جہیز میں دینے کے لیے بہترین تحفہ ہے)